بسم اللہ الرحمن الرحیم
بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ (القرآن)
کتاب ہدایت انتساب
اِقَامَةُ الْبُرْهَانِ
عَلٰی بُطْلَانِ
التَّصَوُّفِ وَالْعِرْفَانِ
تالیف منیف
فقیہ اہل بیتؑ آیت اللہ
الشیخ محمد حسین النجفی
مُجتہد العصر والزمان مدظلہ العالی علیٰ روس المومنین
ناشر مکتبة السبطین
۹/۲۹۶ بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

اظہارِ تشکر

مجسّمہ ایمان واخلاص جناب الحاج لیاقت علی حفظہ اللہ القوی آف پیر محل ضلع خانیوال حال وارد نیو پورٹ (برطانیہ) کی ہمیشہ سے یہ خواہش رہی ہے کہ میں اسلامیات کے جس موضوع پر بھی کوئی کتاب لکھوں اس کتاب کی پہلی اشاعت و طباعت کے اخراجات وہ ادا کریں۔ چنانچہ اب تک وہ میری کئی کتابوں کی اشاعت کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ اب کی مرتبہ وہ چاہتے تھے کہ میرے اس رسالہ شریفہ وعجالہ منیفہ "اقامۃ البرہان علی بطلان التصوف والعرفان" کی اشاعت وطباعت کا وہی انتظام کریں۔ مگر محورِ خلوص وایمان وپیکرِ اسلام واحسان جناب الحاج ملک صابر حسین صاحب اعوان سلمہ الرحمٰن آف پدھراڑ ضلع خوشاب حال وارد مانچسٹر (برطانیہ) کا اصرار وتکرار جناب الحاج لیاقت علی صاحب کی خواہش پر غالب آگیا۔ لہٰذا اب یہ رسالہ شریفہ جناب ملک صاحب موصوف کے جود وسخا کا مرہونِ منت ہو کر مومنین کرام کے مُشتاق ہاتھوں تک دیدہ زیب اور دلفریب شکل وصورت میں پہنچ رہا ہے۔

جزاہ اللہ خیرالجزاء فی الدارین و اسعدہ فی الکونین بحق النبی المصطفیٰ و آلہ النجباء علیہ و علیہم افضل التحیۃ و الثناء الی یوم اللقاء

وانا الاحقر

محمد حسین النجفی عفی عنہ بقلمہٖ

۳۰ ماہِ رمضان ۱۴۳۲ھ

فہرست عناوین

اقامة البرهان علی بطلان التصوف والعرفان

باسمہ سبحانہ

گفتارِ اوّلین

للہ الحمد آنچہ خاطر می خواست
آخر آمد از پردۂ تقدیر پدید

خالق کائنات کے خصوصی فضل وکرم اور بطفیل سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام اس کی توفیق وفیق کے نتیجہ میں جہاں اس راقم آثم نے اسلامیات وایمانیات کے قریباً تمام موضوعات پر مفصل و مکمل اور مدلل کتابیں لکھیں جو کئی کئی بار شائع ہو کر تشنگانِ علوم اہل بیتؑ کی پیاس بجھا رہی ہیں۔ (والحمد للہ) وہاں مدت سے آرزو تھی کہ ایک کتاب تصوف اور نام نہاد عرفان کے خلاف لکھی جائے تاکہ قارئین کرام ومومنین عظام پر روز روشن کی طرح واضح وعیاں ہو جائے کہ تصوف (جس کا بدلا ہوا نام عرفان ہے) کا اسلام وایمان سے اتنا بھی تعلّق نہیں ہے جتنا کہ کھجور کی گٹھلی کا اس کے چھلکے سے ہوتا ہے۔ اور دوسری کتاب علم الاخلاق پر سپردِ قلم وقرطاس کی جائے، تاکہ اخلاقِ عالیہ سے بے بہرہ اہل ایمان، اہل علم اور طلبہ کی اخلاقی تربیت کا اہتمام کیا جاسکے، جوکہ بعثتِ رسولِ اعظمؐ کا مقصد اقصیٰ ہے۔ (انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق) مقامِ تشکر وامتنان ہے کہ پہلے خواب کی تعبیر کا وقت آپہنچا ہے۔ یعنی اس سال بفضلہ وعونہ تعالیٰ ماہِ صیام کے فیوض وبرکات سے استفادہ کرتے ہوئے آج بتاریخ چھ ماہ رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ بمطابق ۷ اگست ۲۰۱۱ء بوقت سوا گیارہ بجے دن اس کارِ خیر کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ السعی منا و الاتمام من اللہ تعالیٰ۔ مگر اصل مقصد

میں وارد ہونے سے پہلے بطور تمہید و مقدمہ چند امور کا بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔ بلکہ اصل مدعا کے حصول میں ممد و معاون ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین اسلام ہے

اگرچہ آئین فطرت یہ ہے کہ "کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ"۔ ہر گروہ اپنی چیز پر خوش نظر آتا ہے۔ ؎

عاقل بعقل خود نازد و مجنوں بجنون
کل حزب بما لدیھم فرحون

یہی وجہ ہے کہ ہر دین و مذہب والا اور ہر مسلک و مشرب والا اپنی حقانیت کا ڈھنڈورا پیٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور دوسروں کو باطل پرست قرار دیتا ہے۔ یہی دعویٰ نصاریٰ کا ہے اور یہی دعویٰ یہود و ہنود وغیرہ کا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ جو دین بنانے والا ہے اس کا فیصلہ کیا ہے؟ تو اگر عدل و انصاف کا دامن تھام کر اس کی آخری الہامی و ربانی کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو غیر مبہم الفاظ میں اس کا یہ فیصلہ سامنے آتا ہے کہ: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آلِ عمران: ١٩) جو برحق دین ہے، جو عند اللہ قابل قبول دین ہے، اور جو نجاتِ دارین اور فلاح کونین کا ضامن دین ہے وہ صرف اور صرف دین اسلام ہے۔ مزید برآں ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے: وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٨٥﴾ (آلِ عمران:٨٥) یعنی جو شخص یا جو گروہ دین اسلام کو چھوڑ کر کسی اور دین کو اختیار کرے گا اس کا دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور اسے آخرت میں نقصان و زیاں اٹھانا پڑے گا۔

افتراقِ امت کا واحد سبب؟

پیغمبر اسلام ﷺ کے انتقال پُرملال کے بعد عام مُسلمانوں سے یہ زبردست غلطی ہوئی کہ اپنے بعد دین لینے اور معارفِ اسلام حاصل کرنے کے لیے حضرت رسولِ خدا مُسلمانوں کو جو دروازہ دکھا کر گئے تھے اور جن ہستیوں کا دامن ان کے ہاتھوں میں تھما کر گئے تھے، لوگوں نے وہ دروازہ بھلا دیا، بلکہ بالفاظِ مناسب جلا دیا۔ اور جن کا دامن پکڑوا کے گئے تھے ان کو مسند رسول پر بٹھانے کی بجائے گھر میں بٹھا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک اسلام کے تہتّر اسلام بن گئے۔ ایک قرآن کی تہتّر تفسیریں وجود میں آ گئیں اور ایک دین کے تہتّر فرقے بن گئے۔ بقول شاعر

و تشعبت شعبا فکل جزیرۃ
فیھا امیر المومنین و منبر

مذہب شیعہ خیرالبریہ ہی حقیقی اسلام کی حقیقی تفسیر و تعبیر ہے

شیعہ مذہب ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے اصلی اسلام اور حقیقی تفسیر قرآن اور اسلام کے اصول و احکام رسول اکرم ﷺ کے خاندان (اہل بیتِ نبوتؑ) سے حاصل کیے ہیں اور یہ حقیقت کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ "اھل البیت ادری بما فی البیت" یعنی گھر والے ہی بہتر جانتے ہیں کہ گھر میں کیا ہے؟

حضرت رسولِ اعظمؐ نے اپنی امت کی راہنمائی کرنے اور اسے ضلالت و گمراہی سے بچانے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ کبھی فرمایا:

انی تارك فیکم الثقلین کتاب الله و عترتی اهل بیتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی و انهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض (حدیث نبوی متواتر)

یعنی "میں دنیا سے جا رہا ہوں مگر تمھاری ہدایت و راہنمائی کے لیے دو نفیس اور گرانقدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب (قرآن) اور دوسری میری عترت اہل بیتؑ، جب تک تم ان دونوں کے دامن سے متمسّک رہو گے تب تک میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ اور یہ دونوں بھی کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ دونوں اکٹھے میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گے"۔

اور کبھی فرمایا:

اهل بیتی امان لامتی من الاختلاف فاذا خالفتها قبیله صارت حزب ابلیس۔

"میری اہل بیتؑ میری امت کے لیے ہر قسم کے اختلاف وافتراق سے بچنے کا واحد ذریعہ ہے۔ پس جب بھی کوئی قوم و قبیلہ ان کی مخالفت کرے گا تو وہ شیطان کا گروہ بن جائے گا"۔ (صواعق محرقہ)

کبھی فرمایا:

علی مع الحق و الحق مع علی اللهم ادر الحق حیث ما دار علی

"علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ ہے۔ اے اللہ! حق کو ادھر پھیرنا جدھر علیؑ پھرتے جائیں"۔ (حدیث نبوی صحیح)

اور کبھی فرمایا:

القرآن مع علی و علی مع القرآن لن یفترقا حتی یرد علی الحوض

"قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ قرآن کے ساتھ۔ یہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ بروزِ قیامت حوضِ کوثر پر دونوں اکٹھے میرے پاس وارد ہوں گے"۔
(حدیث نبویؐ متفق علیہ)

اور کبھی فرمایا:

انا مدینۃ العلم و علی بابھا۔

"میں علم کا شہر ہوں اور اس کا دروازہ علیؑ ہیں"۔ (حدیث نبوی متفق علیہ وغیرہ وغیرہ...... مگر اس کے باوجود جس طرح امت موسٰی نے جناب موسیٰ کے کوہِ طور پر تشریف لے جانے کے بعد ان کے حقیقی جانشین جناب ہارون کا ساتھ چھوڑ دیا تھا، اسی طرح امت محمدیہؐ کی اکثریت نے پیغمبر اسلامؐ کے اِنتقال پُرملال کے بعد حقیقی وصی نبی حضرت علیؑ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ سچ ہے: ع

جنھیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

الغرض جو دین اسلام اللہ نے بنایا، جو دین اسلام پیغمبر اسلام ﷺ نے تیئیس سال کی مدت مدید میں لوگوں تک پہنچایا، اور جو دین اسلام حیدر کرار اور بعض مخلص صحابہ اخیار نے پھیلایا اور جو دین اسلام مُشکل ترین وقت آنے پر تن من دھن قربان کر کے سید الشھداء حضرت امام حسینؑ نے بچایا اور اسے زندۂ جاوید بنایا اس اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے، پیغمبر اسلامؐ کے لائے ہوئے حیدر کرار کے پھیلائے ہوئے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے بچائے ہوئے دین اسلام کی حقیقی تعبیر اور اصلی تصویر کا نام شیعہ خیر البریہ ہے۔ والحمد للہ

بروزِ قیامت کامیاب و کامران اور فائز المرام ہونے والے حضرت علیؑ اور ان کے شیعہ ہیں

یہ حقیقت آفتاب نیمروز کی طرح واضح و آشکار ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگر اسلام کے تہتّر فرقوں میں سے کسی فرقہ ناجیہ کا نام لیا ہے اور اسے ناجی قرار دیا ہے تو وہ صرف اور صرف حضرت علیؑ اور شیعیانِ علی ہیں۔ جیسا کہ متعدّد احادیث میں وارد ہے۔ فرمایا: یا علی انت و شیعتك هم الفائزون یوم القیامة (صواعق محرقه تحفه اثنا عشریه دهلوی وغیره)

تصوف و عرفان اسلام کی سرزمین میں اجنبی پودا ہے

شاعر مشرق اور مُفکّر اسلام جناب ڈاکٹر اقبال اپنے ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں:

"اس میں ذرہ بھر بھی شک نہیں ہے کہ تصوف کا وجود اسلام میں اجنبی پودا ہے"۔ (اقبال نامہ)

جناب شہید مطہری علیہ الرحمہ اپنی کتاب اسلامی علوم کا تعارف صفحہ ۲۵۶ پر رقمطراز ہیں:

پہلی صدی ہجری میں صوفی نامی کسی گروہ کا سراغ نہیں ملتا۔ یہ نام دوسری صدی ہجری میں وجود میں آیا اور ظاہراً اسی صدی میں ان لوگوں نے ایک مخصوص گروہ کی شکل بھی اختیار کی"۔

نیز موصوف اقرار کرتے ہیں کہ:

"بعض اسلامی فقہاء و محدثین کا نظریہ ہے ان لوگوں کے خیال میں عرفا عملی طور پر اسلام کے پابند نہیں ہیں۔ قرآن و سنت سے ان کا تمسّک صرف عوام کو فریب دینے اور مُسلمانوں کے دلوں کو اپنی جانب کھینچنے کی غرض سے ہے اور بنیادی طور پر عرفان سے کوئی ربط ہی نہیں رکھتا"۔ (صفحہ ۲۳۹)

اس سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ تصوف فلاسفۂ یونان کے مزعومات، یہودیوں کے نظریات، عیسائیوں کے رہبانیات، ہندوؤں کے خرافات اور جوگیوں کے غیر شرعی ریاضیات کا ایسا غلیظ ملغوبہ ہے کہ [۱] نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔

ان باتوں کی تفصیل آئندہ ابواب میں بیان کی جائے گی۔

فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ

وانا الاحقر
محمد حسین النجفی عفی عنہ بقلمہ
۶ ماہِ رمضان ۱۴۳۲ھ
بمطابق ۷ اگست ۲۰۱۱ء
سرگودھا

---

[۱] جناب شہید مطہریؒ نے بھی اپنی کتاب اسلامی علوم کے بعض ایڈیشنوں کے مُقدمہ میں اس تلخ حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ (منہ عفی عنہ)

پہلا باب

حقیقت اسلام کا مُختصر مگر جامع تعارف و بیان

اگر اسلام وایمان کے اصول کو یکجا کیا جائے تو وہ حسبِ ذیل پانچ بنتے ہیں:

① توحید ② عدل ③ نبوت ④ امامت ⑤ قیامت

جن میں سے پہلی، تیسری اور پانچویں اصل اصول اسلام ہیں کہ جن کے اقرار سے بندہ مُسلمان اور انکار سے کافر بن جاتا ہے۔ اور باقی دوسری اور چوتھی اصل اصولِ ایمان ہیں، جن کے ماننے سے انسان باایمان اور انکار سے بے ایمان بن جاتا ہے۔

اب ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ ان اصولِ خمسہ کی تھوڑی تھوڑی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

① توحید

یہ عقیدہ اسلام کا اصل الاصول ہے اور بنیاد اساسی ہے، اس میں تمام عالم انسانیت کو ایک مشترکہ نقطہ کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے، جو سب کا مرکز ہے۔ ہزار در ہزار نسل...... رنگ، وطن، اور قوم کے تفرقوں کے باوجود دنیا ایک نظام میں منسلک ہو جاتی ہے کہ سب کا خالق، سب کا مالک، سب کا پالک، اور سب کا معبود و مسجود ایک ہے...... وہ ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہے، ہر چیز کو جانتا ہے۔ وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک، اس کی مثال اور مثیل نہیں ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ زمان و مکان سے ماورا ہے۔

ساری کائنات اس کی محتاج ہے مگر وہ سب سے بے نیاز ہے، وہ حاجت روا، اور حقیقی مُشکل کشا ہے۔ وہی بیماروں کو شفاء دیتا ہے، اور وہی ہماری دعاؤں کا سننے اور قبول کرنے والا ہے۔ تمام کائنات اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہی بلاشرکتِ غیرے اس میں مُتصرّف ہے۔ تمام جہان کا چلانے والا ہے۔ اس کی ذات وہ ہے جس کے لیے فنا نہیں ہے، وہی پیدا کرتا ہے، وہی رزق دیتا ہے، وہی کھیتیاں اُگاتا ہے، وہی مارتا اور وہی جِلاتا ہے۔

عزت ہو یا ذلت، منع ہو یا عطا، بلندی ہو یا پستی، اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ہوائیں وہی چلاتا ہے، بارش وہی برساتا ہے، سورج ہو یا چاند، غرض تمام کائنات میں صرف اسی کی حکومت ہے۔ وہی عالم الغیب والشہادۃ ہے، وہ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی، علیم بھی ہے اور خبیر بھی...... وہ نہ دنیا میں نظر آتا ہے نہ آخرت میں نظر آئے گا۔ وہ ذات میں، صفات میں، افعال میں، اور عبادت میں واحد و یکتا ہے۔ کسی چیز میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

یہ ہے عقیدۂ توحید کے اجمال کی بقدرِ ضرورت تفصیل، جو خود خداوند عالم نے قرآن مجید میں جا بجا اور بار بار پیش فرمائی ہے۔ سب انبیاءؑ کی بعثت کی سب سے بڑی غرض وغایت بھی یہی تھی کہ بنی نوعِ انسان کے سامنے خالقِ کائنات کی حقیقی توحید اور اس کی معبودیت اور اس کے "اِلٰہ" ہونے کی حقیقت پیش کریں۔ چنانچہ فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء:۲۵)

"اے رسولؐ! تجھ سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی اِلٰہ نہیں ہے۔ بس میری ہی

عبادت کرو“۔ (سورۃ الانبیاء: آیت ۲۵)

اس عقیدہ سے ایک وسیع انسانی برادری کی تشکیل ہوتی ہے، جس سے ہر فرد میں دوسرے کے ساتھ اتحاد کا احساس پیدا ہوتا ہے اور سب لوگوں میں ایک ہی نصب العین کے تحت ایک مسلک پر گامزن ہونے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور سب لوگ اپنی خواہشوں کو مشترک مقصد میں فنا کر کے اپنی خلوت و جلوت میں اپنے واحد و یکتا حاکمِ اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے متحد ہو جاتے ہیں۔

جس طرح آگ کا گرم ہونا، برف کا ٹھنڈا ہونا، اور ایک اور ایک کا مل کر دو ہونا بدیہی ہے۔ کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح اس عالمِ رنگ و بو کے لیے ایک قدیر و خبیر اور علیم و حکیم خالق و صانع کا ہونا اور اس کائنات ارضی و سماوی کے لیے ایک بنانے والے کا ہونا بھی ایسا بدیہی ہے کہ کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے ہمیشہ خوابِ غفلت میں سونے والوں کو جگانے اور منکروں کو قائل بنانے کے لیے صرف یہ تنبیہ کی ہے:

اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (ابراھیم:۱۰)

”بھلا اس خدا کے وجود میں کوئی شک و شبہ ہو سکتا ہے جو زمین و آسمان کا خالق ہے؟“۔

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا
آتش پہ مغوں نے گیت گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے
غرض انکار کسی سے بھی نہ بن آیا تیرا
(حالی)

یہی وجہ ہے کہ مشرکین عرب بھی خدا کے وجود کے منکر نہ تھے، وہ خدا کو موجود بھی مانتے تھے، اور زمین و آسمان کا خالق و مالک بھی جانتے تھے۔ ہاں ان کی توحید خالص نہ تھی۔ بلکہ وہ بتوں کو خدا کا شریک مانتے تھے۔ جیسی خالص توحید اسلام نے پیش کی ہے، ادیانِ عالم میں اس کی نظیر نظر نہیں آتی اور اس کی جیسی وضاحت سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام نے کی ہے، اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ (اس سلسلہ میں "نہج البلاغہ" اور "صحیفۂ سجادیہ" بطور نمونہ پیش کیے جا سکتے ہیں)

۲ عدل

خدا کو عادل جاننا دراصل عقیدۂ توحید کا ہی ایک شعبہ ہے، جس طرح خدا کی ذات بلند و برتر ہے اور کامل ہے، اسی طرح اس کے افعال بھی کامل ہیں، ان میں کسی قسم کے نقص، فساد، اور بُرائی کا گزر نہیں ہو سکتا۔ اس کا وہ قانون جو سب بندوں بلکہ سب مخلوق میں جاری و ساری ہے وہ عدالت ہے۔ یعنی اس کا ہر کام حکمت و مصلحت کے موافق ہے۔ وہ نہ کسی کی حق تلفی کرتا ہے، نہ کسی پر ظلم کرتا ہے، اور نہ کوئی عبث اور بے مقصد کام کرتا ہے۔ وہ بندوں سے بھی عدل وانصاف کا تقاضا کرتا ہے۔ اس نے انسان کو فاعل مُختار بنایا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ بندے اس اختیار کو قانونِ عدالت کے مطابق صرف کریں۔ عدل کی ضد ظلم ہے۔ خدا ظالموں پر لعنت کرتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ انسان بالکل مجبور و مقہُور ہے، سب کچھ خدا کرتا کراتا ہے۔ یہ بھی خلافِ عدل اور خلافِ اسلام ہے۔ اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ انسان بالکل مُطلق العنان ہے، بلکہ حقیقت الامر وہ ہے جو بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھٹے جانشین حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان فرمائی ہے:

"لا جبر ولا تفویض، بل امر بین الامرین"۔

لہٰذا جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کی جزا پائے گا، اور جو ذرہ بھر برائی کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا۔

③ نبوتؐ

جب یہ حقیقت ثابت شدہ ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک ہے اور وہ ہے بھی عادل و حکیم کہ کوئی کام عبث و بے مقصد نہیں کرتا، تو پھر قدرتی طور پر انسانی ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ: اس نے یہ کائنات کیوں بنائی؟ اور بالخصوص اس نے حضرت انسان کو خلعت وجود کیوں عطا فرمایا ہے؟ وہ کیا چاہتا ہے، اس کی رضا و ناراضگی کن باتوں میں مُضمر ہے؟ ہماری نااہلی کی وجہ سے نہ تو وہ ہم سے کلام کرتا ہے اور نہ ہی ہم اس سے کلام کر سکتے ہیں۔ اس لیے عقل و شرع کہتی ہے کہ خالق اور عام مخلوق کے درمیان کچھ وسیلے ہونے چاہئیں، جو خدا سے پیغام لیں اور مخلوق تک پہنچائیں۔

حاکم مُطلق یعنی خدائے واحد و یکتا کے احکام و قوانین اس کی رعایا اور مخلوق تک پہنچاتے اور ان کا عملی اجراء کرنے کرانے والوں کو ہی "رسول" و "نبی" کہا جاتا ہے۔ چونکہ نبی عام مخلوق میں خدا کا نمائندہ ہوتا ہے، اور سب پر اس کی اطاعت لازم ہوتی ہے، اس کے احکام خدا کے احکام ہوتے ہیں، اس کا بالمقابل کسی کو رائے زنی، قیاس آرائی کرنے اور اس کے فیصلے کے سامنے کسی کو چون و چرا کرنے کا حق نہیں ہوتا۔ اس لیے عقلِ سلیم اور شرعِ قویم کہتی ہے کہ اسے معصوم اور انسانِ کامل ہونا چاہیے۔ انسان اس لیے کہ بنصِّ قرآن اشرف المخلوقات ہے اور سیرت و کردار میں کامل اس لیے کہ اس نے ناقصوں کی تربیت کر کے ان کو کامل بنانا ہے۔ لہٰذا خود اسے معصوم عن الخطا ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس

نے گنہگاروں کو نیکوکار بنانا ہے۔ نیز اسے لوگوں کی دینی ضروریات کا عالم ..... اور عالم بھی علم لدنی ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس نے جاہلوں کو عالم بنانا ہے، اور ان کو علم دین سکھانا ہے۔ اسے بہادر ہونا چاہیے۔ کیونکہ امن ہو یا خوف، صلح ہو یا جنگ، ہر حال میں اس نے دین پہنچانا اور پھیلانا ہے۔

الغرض! اسے تمام انسانی کمالات سے متّصف اور تمام انسانی نقائص سے پاک وصاف ہونا چاہیے۔ تاکہ اس کی سیرت وکردار لوگوں کے لیے ایک مثال و معیار قرار پاسکے...... یہ نبوت جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی تھی، عبداللہؑ و آمنہؑ کے لعل، حسنین شریفینؑ کے جدِ نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی صفات پر ختم ہوگئی۔ اب قیامت تک ان کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا ...... اب قیامت تک ان کے بعد انہی کی ذات بابرکات کا اسوۂ حسنہ ساری کائنات کے لیے خضرِ راہ اور مشعل ہدایت ہے۔ ؎

رُخِ مُصطفیٰؐ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

④ اِمامتؑ

موت برحق ہے جس سے خدا کے سوا کوئی ہستی بھی مُستثنیٰ نہیں ہے۔ ع

جب احمد مرسلؐ نہ رہے کون رہے گا؟

بنابریں نبی ورسول کے دُنیا سے اٹھ جانے کے بعد...... اگر رعایا کے لیے کسی مرکز کا کوئی انتظام نہ کیا جائے اور خدائی قانون کے جاری کرنے والے اور پیغمبر کی لائی ہوئی شریعت کی حفاظت کرنے والے کا کوئی بندوبست نہ کیا جائے بلکہ عام لوگوں کو مُطلق العنان اور ان کو اپنی رائے اور مرضی کے مطابق عمل کرنے

کی آزادی دے دی جائے تو نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ لوگ افتراق وانتشار کا شکار ہوجائیں گے اور نبی ورسول نے امت میں جو نظم وضبط پیدا کیا تھا، اور جس طرح نبی ورسول کی آمد اور تقرری کا جو مقصد تھا وہ فوت ہوجائے گا۔ لہٰذا خدائے حکیم کے لیے محال ہے کہ وہ ایسا کرے اور اپنے کیے پر خود پانی پھیر دے۔

بنابریں امت کو انتشار سے بچانے، اس کے لیے مرکز قائم کرنے، اور نبی کے بعد خدا کے قانون کو چلانے اور نافذ کرنے کا نام عقیدۂ امامت ہے، جو ذات نبی ورسول مقرر کرتی ہے وہی ذات ان کے جانشین کا انتظام کرتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ امامت نصی ہے اجماعی یا شورائی نہیں ہے۔ جس طرح ہر شخص نبی ورسول نہیں بن سکتا، بلکہ اس کے کچھ خصوصیات ہیں جو اس میں پائے جانے ضروری ہیں، جیسا کہ ابھی اوپر ان کو ضروری وضاحت سے بیان کیا جاچکا ہے۔ اسی طرح ہر شخص نبی کا قائم مقام بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جس طرح نبی خدا کا نمائندہ ہوتا ہے، جس طرح نبی کی اطاعت خدا کی اطاعت ہوتی ہے، اسی طرح امام کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت ہوتی ہے۔

الغرض اس مرکز میں اصلی حکومت خدا کی ہوتی ہے، اور اس کی نمائندگی میں رسول اور اس کے جانشین مرکز اتباع ہوتے ہیں اور نظام اسلام چلاتے ہیں۔ اسی لیے نبی کی طرح امام کے لیے بھی عصمت، علم لدنی اور شجاعت ضروری ہے۔

خلاصہ یہ کہ کسی نبی کی مسند کا وارث وہ ہوگا جو نبی کے اوصاف وکمالات کا آئینہ دار نظر آئے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس معیارِ امامت پر صرف بارہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام ہی پورے اترتے ہیں۔ لہٰذا خلافتِ الٰہیہ اور امامتِ ربانیہ کے علمبردار اور حق دار صرف وہی ذواتِ قادسہ ہیں۔

علیؑ ہے نفس مصطفیؐ وہی سب اس میں عادتیں
سپہر تھرتھرا گیا دکھائیں وہ شجاعتیں

زمین جگمگا اٹھی وہ دل سے کیں عبادتیں
تن ابوتراب سے چمک رہی تھیں آیتیں

رکوع میں ، سجود میں ، قیام میں، قعود میں

اور مخفی نہ رہے کہ اگر کسی وقت امام برحق تک دسترس نہ ہو سکے (جیسا کہ موجودہ دور میں یہی صورتِ حال ہے) تو جو حضرات عمومی طور پر نائب امام ہوں گے، یعنی علمائے اعلام، وہی مرکز امت بن کر نظامِ اسلام چلائیں گے اور تبلیغ اسلام اور اس کی حفاظت کا فریضہ ادا فرمائیں گے۔

⑤ قیامت

خداوند عالم کے مقرر کردہ نظامِ اسلام کی پابندی اور اس کے مقرر کردہ نبیوں، رسولوں، اور ان کے صحیح جانشینوں کی اطاعت کرنے والوں کے لیے جزا اور مخالفت کرنے والوں کے لیے سزا کا انتظام واہتمام اشد ضروری ہے، تاکہ مُطیع وفرمانبردار اور عاصی ونافرمان کے درمیان امتیاز کیا جا سکے۔ اسی جزا اور سزا والے دن کو قیامت کا دن کہتے ہیں۔

قرآن مجید کا بہت سا حصّہ قیامت کی (حقانیت) اور اس کی تفصیلات بیان کرنے سے لبریز نظر آتا ہے۔

فروعِ دین

انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ترقی اور اسے بنانے سنوارنے کی خاطر خالق حکیم نے کچھ احکام جاری کیے ہیں اور کچھ فرائض مقرر کیے ہیں، کچھ حقوق اللہ اور کچھ حقوق الناس معین فرمائے ہیں۔ الغرض! خدائے حکیم نے انسان کی دینوی زندگی کی اصلاح اور اخروی فوز و فلاح کے لیے کچھ عبادات، کچھ معاملات اور کچھ عقود اور کچھ ایقاعات مقرر کیے ہیں۔ جن کو بالکل اسی طرح بجالانا ضروری ہے جس طرح خدا نے بنائے اور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہنچائے ہیں، اپنی ذاتی رائے و قیاس سے ان میں کسی قسم کی کمی بیشی یا ترمیم و تنسیخ کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ انہی چیزوں کے مجموعے کا نام ہے: "فروعِ دین" جن کی پیروی کرنا ایک مُسلمان کے لیے اس قدر ضروری ہے کہ اس کے بغیر اسلام کا مقصد ہی حاصل نہیں ہوسکتا...... یہاں ان چیزوں کی تفصیلات میں جانا مقصُود نہیں (کیونکہ ان کا اصلی مقام فقہ ہے، جہاں سب اوامر و نواہی اور سب حقوق و فرائض تفصیلاً مذکور ہیں ...... ہم نے بھی بفضلہٖ تعالیٰ قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ میں بڑی تفصیل جمیل کے ساتھ ان کو بیان کر دیا ہے۔ تفصیلات دیکھنے کے خواہش مند حضرات وہاں رجوع فرمائیں) یہاں تو صرف یہ بتانا مطلُوب ہے کہ اسلام کا مقصد ایک ایسی قوم پیدا کرنا ہے جو اپنے خالق و مالک کی بادشاہت کو دل و جان سے تسلیم کرے اور اپنی رائے و قیاس اور ذاتی خواہشات و اختراعات کو چھوڑ کر اس کے مقرر کردہ حاکم (رسولؐ) اور اس کے حقیقی نائبین...... یعنی ائمہ طاہرینؑ کے احکام پر بڑی مضبُوطی و استواری کے ساتھ عمل کرے۔ تاکہ وہ ہر قسم کے تشتّت و افتراق اور باہمی اختلافات سے بچتے ہوئے شاہراہِ ترقی پر گامزن ہو سکے، اور اس طرح دنیا میں

عزت و عظمت کے ساتھ زندگی گزار کر آخرت میں دائمی فوز و فلاح حاصل کر سکے۔ (و ذالك هو الفوز المبين)

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ (القرآن)

تذنیب اب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ جامع حدیث شریف پیش کر دی جائے جو اکثر عقائد اسلامیہ وایمانیہ پر مشتمل ہے، جسے رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "التوحید" میں درج فرمایا ہے، اور اس سے دوسرے علماء اعلام نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ چنانچہ جناب شہزادہ عبدالعظیم بن عبداللہ حسنیؒ بیان کرتے ہیں کہ (بحذف الاسناد)

دخلت علی سیّدی علی بن محمد بن علی بن موسٰی بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب صلوات الله علیهم فلما بصرنی قال مرحبًا بك یا ابا القاسم انت ولیّنا حقًا قال قلت یابن رسول الله صلی الله و آله و سلم انی ارید ان اعرض علیك دینی فان كان مرضیًا ثبّت علیه حتی القی الله عز و جل فقال هاتها یا اباالقاسم فقلت انی اقول ان الله تبارك و تعالی واحد لیس كمثله شیء خارج من الحدین حد الابطال و حد التشبیه و هو انه لیس بجسم و لا صورة و لا عرض و لا جوهر بل هو مجسم الاجسام و مصور الصور و خالق الاعراض و الجواهر و رب كل شیء و مالكه و جاعله و محدثه و ان محمدًا عبده و رسوله خاتم النبیین فلا نبی

بعده الی یوم القیامة و اقول ان الخلیفة و ولی الامر من بعده امیرالمومنین علی بن ابی طالب ثم الحسن ثم الحسین ثم علی بن الحسین ثم محمد بن علی ثم جعفر بن محمد ثم موسی بن جعفر ثم علی بن موسی ثم محمد بن علی ثم انت مولی، فقال علیه السلام و من بعدی الحسن ابنی، فکیف للناس بالخلف من بعده قال فقلت و کیف ذاك یا مولائی قال لانه لا یری شخصه و لا یحل ذکره باسمه حتی یخرج فیملاء الارض قسطًا و عدلا کما ملئت جورًا و ظلمًا فقلت اقررت و اقول ان ولیهم ولی الله و عدوهم عدو الله و طاعتهم طاعة الله و معصیتهم معصیة الله و اقول ان المعراج حق و المسئلة فی القبر حق و ان الجنة حق و النار حق و الصراط حق و المیزان حق و ان الساعة أتیة لا ریب فیها و ان الله یبعث من فی القبور و اقول و ان الفرائض الواجبة بعد الولایته الصلوٰة و الزکوٰة و الصوم و الحج و الجهاد و الامر بالمعروف و النهی عن المنکر فقال علی بن محمد علیهما السلام یا اباالقاسم هذا و الله دین الله الذی ارتضاه لعباده فاثبت علیه ثبتك الله بالقول الثابت فی الحیوٰة الدنیا والأخرة۔

ترجمۂ حدیث:

اس جلیل القدر حدیث کی شرح وبسط کے لیے تو ایک دفتر درکار ہے لیکن ہم بہ تقاضائے وقت و گنجائش صرف اس کے مطلب خیز ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

"حضرت شہزادہ عبد العظیمؒ بیان کرتے ہیں کہ مَیں ایک بار اپنے مولا و آقا حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، جب آنجنابؑ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: مرحبا اے ابوالقاسم! تم ہمارے حقیقی موالی ہو۔ مَیں نے عرض کیا: فرزند رسولؐ! مَیں چاہتا ہوں کہ اپنا دین و اعتقاد آپؑ کی خدمت میں پیش کروں، تاکہ اگر پسندیدہ ہو تو تازیست اس پر ثابت قدم رہوں (بصورتِ دیگر اس سے عدول کروں) امام عالی مقامؑ نے فرمایا: ہاں اے ابوالقاسم پیش کرو! مَیں نے عرض کیا: (توحید کے بارے میں) میرا یہ عقیدہ ہے کہ خداوند عالم (ذات و صفات میں) واحد و یگانہ ہے، کوئی بھی اس کا ہمسر و نظیر نہیں ہے، وہ ابطال و تشبیہ کی دونوں حدوں سے خارج ہے (نہ تو وہ معطل محض یعنی معدوم ہے اور نہ ہی ذات و صفات میں مخلوق کی مانند ہے) اور نہ وہ جسم و صورت رکھتا ہے اور نہ ہی وہ عرض و جوہر کی قسم سے ہے، بلکہ وہ جسموں کو جسم بنانے والا، صورتوں کو صورت عطا کرنے والا اور اعراض و جواہر کا خالق ہے (پھر خالق اپنی مخلوق اور صانع اپنی مصنُوع کے ساتھ کیونکر متّصف ہوسکتا ہے؟) وہ کائنات کی ہر چیز کا رب اور خالق و مالک ہے۔ اور نبوت کے متعلّق میرا عقیدہ یہ ہے کہ جناب محمد مُصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ سبحانہ کے

بندۂ خاص، اس کے رسول اور تمام انبیاءؑ کے سلسلہ مبارکہ کے ختم کرنے والے ہیں۔ اب قیامت تک ان کے بعد کوئی (نیا یا پرانا نبی بحیثیّت نبی) نہیں آسکتا (اور امامت کے بارے میں) میرا اعتقاد یہ ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان کے جانشین امام برحق اور ولیٔ امر حضرت امیرالمومنین علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں، ان کے بعد حضرت امام حسنؑ، ان کے بعد حضرت امام حسینؑ، پھر حضرت علیؑ بن حسینؑ، پھر حضرت محمدؑ بن علیؑ، پھر حضرت جعفرؑ بن محمدؑ، پھر حضرت موسیٰؑ بن جعفرؑ، پھر حضرت علیؑ بن موسیٰؑ، پھر حضرت محمدؑ بن علیؑ اور ان کے بعد آپؑ امام برحق ہیں۔ جب شہزادہ عبدالعظیمؒ کا سلسلہ کلام یہاں تک پہنچا تو امام عالی مقامؑ نے فرمایا: اور میرے بعد میرا بیٹا حسنؑ (عسکری) امام ہوگا، اور اس وقت لوگوں کی کیا حالت ہوگی جب حسن عسکریؑ کے خلف (صالح) کا دور ہوگا۔ شہزادہ بیان کرتے ہیں کہ: مَیں نے عرض کیا: میرے آقا! اُس وقت کیا حالت ہوگی؟ امامؑ نے فرمایا: (بوجہ غیبت کبریٰ) نہ تو وہ دکھائی دیں گے اور ان کے ظہور تک ان کو ان کے حقیقی نام (م ح م د) سے یاد کرنا بھی ممنوع ہوگا۔ ہاں جب ظہور فرمائیں گے تو زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دیں گے جس طرح اس سے قبل ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ شہزادہ کا بیان ہے کہ مَیں نے (یہ سُن کر) عرض کیا: مَیں ان کی امامت و خلافت کا بھی اقرار کرتا ہوں (پھر اپنے عقائد کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا:) اور میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جو شخص ان

ائمہ اہل بیتؑ کا دوست ہے وہ خدا کا دوست ہے، اور جو ان کا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے۔ ان کی اطاعت خدا کی اطاعت اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔ اور میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ (جسمانی) معراج (رسولؐ) برحق ہے اور قبر میں سوال و جواب کا ہونا بھی برحق ہے۔ اسی طرح جنت و جہنم کا وجود بھی برحق ہے۔ اسی طرح پل صراط اور اعمال کا میزانِ عدل پر تولا جانا بھی برحق ہے۔ اور یہ کہ قیامت ضرور آئے گی۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ ایک دن ضرور خدا تعالیٰ مُردوں کو زندہ کرے گا۔ اور میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ولایت اہل بیتؑ کے بعد مندرجہ ذیل امور (اہم) واجب ہیں: نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے (یہ اعتقاداتِ حقہ سماعت فرما کر) فرمایا: اے ابوالقاسم! خدا کی قسم! یہی وہ خدا کا (پسندیدہ) دین ہے جسے اس نے اپنے بندوں کے لیے منتخب فرمایا ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آلِ عمران: ۱۹)

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۸۵﴾ (آلِ عمران:۸۵)

اس پر ثابت قدم رہو، خدا تمھیں دُنیا و آخرت میں اس پر ثابت قدم رکھے۔

(عماد الاسلام جلد ۱)

دوسرا باب

اقسام توحید و شرک اور خدا کے بعض صفاتِ ثبوتیہ و سلبیہ کا بیان

پہلے باب میں اصولِ اسلام و ایمان کے ذیل میں گو توحید پروردگار کا اجمالی تذکرہ کر دیا گیا ہے، مگر عقیدۂ توحید کی اہمیت و افادیت اور شرک جلی و خفی کی مذمت اور نقصان رسانیت کے پیشِ نظر مناسب سمجھا گیا ہے کہ کتاب کے اس دوسرے باب میں توحید کے چہارگانہ اقسام اور اس کے بالمقابل شرک جلی کے چہارگانہ اقسام کا اجمالی تذکرہ کر دیا جائے۔ نیز بعض وہ صفاتِ جلیلہ و جمیلہ جو ذاتِ خداوندی کے شایانِ شان ہیں، اور وہ صفاتِ رذیلہ جو اس کی ذات کے شایانِ شان نہیں ہیں، یعنی صفات ثبوتیہ اور صفاتِ سلبیہ کا اجمالی تذکرہ بھی کر دیا جائے۔ جو آگے چل کر تصوف و عرفان کی تردید میں مُفید ثابت ہوگا، اور اس سے اس حقیقت کا ادراک آسان ہو جائے گا کہ تصوف ہو یا نام نہاد عرفان، وہ روحِ اسلام کے خلاف ہونے کی وجہ سے واضح البطلان ہے۔ وھو المقصود

توحید پروردگار کے چہارگانہ اقسام کا بیان

سو واضح ہو کہ پروردگار کی توحید اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک کہ ہر قسم کی توحید کا اقرار و اعتراف نہ کیا جائے۔

(۱) توحید ذاتی (۲) توحید صفاتی (۳) توحید افعالی، اور (۴) توحید عبادتی

(۱) توحید ذاتی یہ ہے کہ وہ واجب الوجود ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ نہ اس کی کوئی ابتداء ہے اور نہ کوئی انتہا۔ ھو الاول ھو الآخر۔

باقی ساری کائنات ممکن الوجود ہے۔ اس کی ابتداء بھی ہے اور انتہا بھی ہے۔ حتی کہ انبیاء و اوصیاء بھی اس سے مُستثنیٰ نہیں ہیں۔

۲ توحید صفاتی کا مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم کی صفاتِ حقیقیّہ ذاتیہ عین ذات ہیں، اس کی ذات اور صفات میں کسی وقت بھی جدائی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس کی یہ صفات اس کی ذاتی ہیں، کسی اور نے اسے نہیں دیں...... باقی سب مخلوق کی صفات حتی کہ انبیاء و مُرسلین کی صفات بھی ان کی ذاتی نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں اور زائد بر ذات ہیں۔

۳ توحید افعالی اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ امور تکوینیّہ، جن پر کوئی مخلوق من حیث المخلوق طاقت و قدرت نہیں رکھتی، جیسے خلق کرنا، رزق دینا، موت و حیات عطا کرنا، بیمار کو شفا دینا، مُضطر کی دعا و پکار کو سننا، اور اس کی مصیبت کو ٹالنا وغیرہ۔ ان امور میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ (سورۃ الروم: ۴۰)

۴ توحید عبادتی کا مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، اور اس کے علاوہ کوئی بھی مخلوق پرستش کے لائق نہیں ہے۔ اسی بنا پر بُت پرستوں کو مشرک قرار دیا گیا ہے کہ وہ خود ساختہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ اور ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے۔ اور یہ سجدہ ہی ہے جو کہ "افضل عبادت" (نماز) کا افضل رکن ہے۔ تو جب خداوند عالم کی ذات کے سوا کسی ہستی کی عبادت کرنا جائز نہیں ہے، تو پھر کسی مخلوق کو سجدہ کرنا کس طرح مباح ہوسکتا ہے؟۔

شرک جلی کے چہارگانہ اقسام کا بیان

بموجب ع

وبضدها تتبين الاشياء

مذکورہ بالا اقسامِ توحید اس وقت تک مکمل نہیں ہوتے جب تک ہر قسم کے شرک کی آلودگی سے دامن کو نہ بچایا جائے، جوکہ بالاتفاق ناقابل معافی جرم ہے اور اکبرالکبائر گناہ۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ج وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا

(سورۃ النساء:۴۸)

لہٰذا توحید کی جس قسم میں کچھ خلل پڑ جائے وہاں شرک کی ایک قسم پیدا ہوجاتی ہے۔ مثلاً:

① اگر توحید ذاتی میں خلل واقع ہوجائے تو اس سے شرک ذاتی پیدا ہوجائے گا۔ یعنی ازلی وابدی حی لا یموت خدائے واجب الوجود کی ذات والا صفات میں کسی کو شریک کرنا، حالانکہ وہ واحد و یکتا ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ①

② شرک صفاتی۔ یعنی خدا کی صفاتِ حقیقیہ میں کسی کو شریک قرار دینا۔ چونکہ خداوند عالم کی صفاتِ حقیقیہ ذاتیہ عین ذات ہیں یعنی ذات وصفات میں کبھی جدائی کا تصور بھی نہیں ہوسکتا...... اس مرحلہ میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے۔ باقی جس قدر مخلوق ہے اس کی صفاتِ کمالیہ زائد بر ذات ہیں۔ جس طرح اس کی ذات تخلیق خالق کا نتیجہ ہے اسی طرح اس کی صفات بھی عطیۂ الٰہی کا ثمرہ ہے۔

③ شرک افعالی ۔ یعنی اللہ کے ان کاموں میں کسی کو شریک قرار دینا جن کاموں پر کوئی بھی مخلوق من حیث المخلوق قادر نہیں ہے ۔ جیسے خلق کرنا، رزق دینا، مارنا، جلانا، اور بیمار کو شفاء دینا (وغیرہ افعال تکوینیہ)

ارشادِ قدرت ہے:

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ھَلْ مِنْ شُرَکَآئِکُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِکُمْ مِّنْ شَیْءٍ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ (سورۃ الروم: ۴۰)

"اللہ وہی تو ہے جس نے پہلے تمھیں پیدا کیا، پھر رزق دیا، پھر تمھیں موت کا ذائقہ چکھائے گا اور پھر تمھیں زندہ فرمائے گا۔ جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو، ان میں کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کوئی کام کر سکے ۔ خدا مشرکوں کے شرک سے پاک و پاکیزہ ہے" ۔

لہٰذا اللہ کے سوا کسی کو خالق و رازق ، محیی و ممیت اور شافی الامراض و قاضی الحاجات جاننا شرکِ افعالی ہے ۔

④ شرک عبادتی ۔ یعنی مقامِ عبادت میں کسی کو خدا کا شریک قرار دینا ۔ خدا کی طرح اس کی عبادت کرنا اور اسی کی طرح شدائد و مصائب میں اسے پکارنا۔

ارشادِ قدرت ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا (النسآء: ۳۶)

"خدا ہی کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو" ۔

نیز ارشادِ باری ہے:

فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا

یُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا (الکهف:۱۱۰)

"جو شخص اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضری کی امید رکھتا ہے اسے چاہیے کہ نیک عمل بجالائے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے"۔

شرک جلی کی انہی چار قسموں کو ① ربوبیت میں شرک، اور ② الوہیت میں شرک بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی "شرک ربوبی" یہ ہے کہ غیر اللہ کو اللہ کی تقدیر و تدبیر، یعنی ان امور میں شریک قرار دیا جائے جن کا تعلّق نظام ربوبیت کے ساتھ ہے۔ جیسے مالکانہ تصرفات کرنا، پیدا کرنا، اور رزق دینا وغیرہ۔ اور "شرک الوہی" یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت کی جائے، یا اس سے دعا مانگی جائے (جو کہ مخ عبادت ہے) کیونکہ عبادت و دعا کا حقدار صرف پروردگار ہے، جو کہ "ایاك نعبد و ایاك نستعین" کا مفاد ہے۔

خدا کے بعض صفاتِ ثبوتیہ کا تذکرہ

یہ ایک مُسلمہ حقیقت ہے کہ کسی شئ کی معرفت حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس شئ کے صفات کی معرفت حاصل کی جائے۔ اس طرح موصوف کی فی الجُملہ معرفت خود بخود حاصل ہو جاتی ہے۔

مگر یہاں معاملہ اس لیے قدرے پیچیدہ ہے کہ جس طرح خداوند عالم کی ذات غیر محدود ہے اور اس کی اصل حقیقت تک اس کی مخلوق کی عقل و خرد کی رسائی ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح اس کی صفاتِ جمال و کمال بھی غیر محدود ہیں اور ان کی اصل حقیقت انسانی عقل و خرد کی حدود سے ماوراء ہے۔

لہٰذا ہم بطور نمونہ مُشتے از خروارے چند صفاتِ ثبوتیہ اور چند صفات سلبیہ

کا تذکرہ کرتے ہیں اور ان کی اصل حقیقت تک رسائی کی ناکام کوشش کو ترک کر کے صرف ان صفاتِ کمال کے اضداد کی اس کی ذات سے نفی کرتے جائیں گے۔ یعنی خدا کے قادر ہونے کا مختصر مطلب یہ ہے کہ وہ کسی کام سے عاجز نہیں ہے اور اس کے عالم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی بات سے جاہل نہیں ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اس کی قدرت اور اس کے علم کی اصل حقیقت کیا ہے؟ اس بات کا ادراک ہمارے فہم و فراست سے ماوراء ہے۔ ع

عنقا شکار کس نشود دام باز چین

بہر حال ذیل میں پہلے چند صفاتِ ثبوتیہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور بعد ازاں چند صفاتِ سلبیہ کا بیان کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

خداوند عالم کی چند صفاتِ ثبوتیہ یہ ہیں

① خدا کی پہلی صفت کمال یہ ہے کہ وہ قادرِ مطلق ہے، قدرتِ کاملہ رکھتا ہے۔ یعنی کسی بھی ممکن کام سے عاجز نہیں ہے۔

② خدا عالم ہے۔ اس کا علم ہر شئے کو محیط ہے اور وہ ہر کلی و جزئی امر کا علم رکھتا ہے۔ یعنی کسی بھی بات سے جاہل و ناواقف نہیں ہے۔

③ خداوند عالم مختار ہے۔ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے، اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں کرتا۔ یعنی وہ مجبور و مضطر نہیں ہے۔

④ خداوند عالم زندہ ہے، وہ ازل سے زندہ ہے اور ابد تک زندہ رہے گا۔ یعنی اس کے لیے کبھی بھی فنا و زوال نہیں ہے۔

⑤ خدا مدرک ہے۔ ادراک سے ان چیزوں کا علم مراد ہے جو بذریعہ حواس معلوم ہوتی ہیں۔ بالفاظ دیگر وہ جزئیات کا عالم ہے۔ یعنی کسی کلی یا جزئی

سے جاہل نہیں ہے۔

۴ خدا صادق ہے۔ اس کا ہر قول و فعل صدق اور راستی پر مبنی ہے۔ یعنی اس کے کسی قول و فعل میں کذب و افتراء کا شائبہ تک نہیں ہے۔

۵ خدا قدیم ہے۔ وہ ازلی اور ابدی اور سرمدی ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اور ہر شئے سے اول ہے اور ہر شئے کے آخر ہے۔ یعنی وہ حادث و نو پیدا نہیں ہے۔

۶ خدا مرید ہے، وہ جو کچھ کرتا ہے اپنے ارادہ و اختیار سے کرتا ہے۔ یعنی وہ مکرہ و مجبور نہیں ہے۔ کوئی اس پر جبر کر کے اس سے زبردستی کام نہیں کرا سکتا۔

۷ خدا متکلم ہے۔ یعنی وہ جس چیز میں چاہے کلام پیدا کرنے پر قادر ہے۔ یعنی وہ اظہار مافی الضمیر سے عاجز نہیں ہے۔

۸ خداوند عالم سمیع و بصیر ہے۔ وہ کان اور آنکھ کے بغیر ہر آواز کو سنتا ہے اور ہر چیز کو جو دید کے قابل ہے دیکھتا ہے۔ یعنی وہ سننے اور دیکھنے سے عاجز نہیں ہے۔

۹ خداوند عالم حکیم ہے، اس کے تمام اقوال و افعال حکمت و دانائی پر مبنی ہیں۔ یعنی وہ کوئی عبث اور بے ہودہ کام نہیں کرتا۔

۱۰ خداوند عالم عادل ہے، وہ کبھی کسی اچھے کام کو ترک نہیں کرتا اور کسی بُرے کام کا ارتکاب نہیں کرتا۔ یعنی کسی پر ظلم نہیں کرتا، بلکہ ظالموں پر لعنت بھیجتا ہے۔

خداوند عالم کی چند صفاتِ سلبیّہ

صفاتِ سلبیّہ، جن کو صفاتِ جلال بھی کہا جاتا ہے، یہ صفات بھی صفاتِ جمال یعنی صفاتِ ثبوتیہ کی طرح غیر محدود ہیں۔ مگر ہم بنظر اختصار صرف چند صفاتِ سلبیّہ کا ذکر کرتے ہیں:

① خداوند عالم مرکب نہیں ہے۔ یعنی وہ اجزاء خارجیہ اور اجزاء داخ[illegible] نہیں رکھتا۔ کیونکہ جو مرکب ہوتا ہے وہ ممکن الوجود ہوتا ہے، جبکہ خ[illegible] واجب الوجود ہے۔

② خداوند عالم جسم نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ جسم و جسمانیات سے منزہ ومبرا ہے۔

③ خداوند عالم جوہر وعرض نہیں ہے۔ کیونکہ جوہر یا عرض ہونا ممکن ک[illegible] صفات ہیں، جبکہ خداواجب الوجود ہے۔

④ خداوند عالم محل حوادث نہیں ہے۔ یعنی خدا پر کبھی وہ حالات طار[illegible] نہیں ہوتے جومخلوق پر طاری ہوتے ہیں۔ جیسے جوانی وپیری، خواب او[illegible] بیداری وغیرہ۔

⑤ خداوند عالم کسی چیز میں حلول نہیں کرتا۔ یعنی خداوند عالم کسی چیز میں ا[illegible] طرح حلول نہیں کرتا جس طرح پانی کوزے میں یا روح جسم میں یا خوش[illegible] پھول میں ۔ کیونکہ حلول کرنے والا محل کا محتاج ہوتا ہے، جبکہ خدا غن[illegible] مُطلق ہے۔ اگر وہ کسی چیز میں حلول کرے تو دوسری چیز اس سے خال[illegible] ہوگی۔ حالانکہ خدا علمی احاطہ کے اعتبار سے ہر جگہ موجود ہے۔

⑥ خداوندعالم کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہوتا۔ کیونکہ ویسے بھی عقلاً د[illegible] چیزوں کا آپس میں اس طرح متحد ہونا کہ ان کے اتحاد سے نہ حجم بڑ[illegible] اور نہ گھٹے، ایک امر محال ہے۔ چہ جائے کہ واجب الوجود اور ممکن الوج[illegible] کا اتحاد؟ یہ ہوائی کسی دشمن عقل نے اڑائی ہوگی۔

⑦ خداوند عالم محتاج نہیں ہے...... بلکہ ساری کائنات اس کی محتاج ہے۔ او[illegible] وہ ہر شے سے بے نیاز ہے۔

⑧ خداوند عالم متحیز نہیں ہے۔ اس کا کوئی مخصوص مکان نہیں ہے، بلکہ و[illegible]

زمان ومکان کی قید سے آزاد ہے۔ کیونکہ وہ جسم سے منزہ ہے۔

- خداوندعالم کی صفات زائد بر ذات نہیں ہیں۔ بلکہ اس کی صفات حقیقیّہ عین ذات ہیں۔
- خداوندعالم جسمانی لذت ورنج نہیں رکھتا...... کیونکہ وہ جسم نہیں رکھتا۔
- خداوندعالم مرئی نہیں ہے۔ وہ ان مادی آنکھوں سے نہ دنیا میں نظر آتا ہے اور نہ آخرت میں نظر آئے گا۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الانعام: ۱۰۳)

- خداوندعالم کبھی کسی فعل قبیح کا ارتکاب نہیں کرتا...... کیونکہ ایسا کرنے والا یا جاہل ہوتا ہے یا محتاج۔ اور خدا ان ہر دو سے منزہ ومبرا ہے۔
- خداوندعالم بے مثل و بے مثال ہے۔ پوری کائنات میں کوئی اس جیسا نہیں ہے۔ لیس کمثله شیء...... ولم یکن له کفواً احد۔
- خداوندعالم کا کوئی شریک نہیں ہے، نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ افعال میں اور نہ عبادت میں۔ ع

یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں

تیسرا باب

اسلام میں فرقہ صوفیہ کب پیدا ہوا اور اس کی ایجاد کا سہرا کس کے سر ہے

اگرچہ تصوف کی کوئی جامع و مانع تعریف آج تک نہیں ہوسکی۔ مگر دو ایسے بنیادی عنصر ہیں جو تصوف کی اصل سمجھے جاتے ہیں۔ ① انسان کا خدا کے ساتھ براہِ راست مکالمہ، اور ② نفس انسانی کا حقیقت مُطلقہ (خدا) کے ساتھ مل جانا۔ جسے یہ لوگ وصال یا فنا کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ تصوف کسی نہ کسی شکل میں سابقہ ادیانِ عالم یہودیت، نصرانیت اور ہندوازم میں بھی رہا ہے مگر ہمارا مدعا یہ ہے کہ یہ اسلام میں کب اور کس طرح داخل ہوا؟

یہ حقیقت ہے، اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ فرقہ ضالہ و مضلہ صوفیہ عہد بنی امیہ کی پیداوار ہے اور اس کے ایجاد کا سہرا امراء و ملوک بنی امیہ کے سر پر ہے۔ اس داستان کا خلاصہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد یار لوگوں نے بڑے لطائف الحیل سے خاندانِ نبوتؑ سے ظاہری اقتدار تو چھین لیا، لہٰذا اب اس خانوادۂ عصمت و طہارت کے پاس مادی اسباب و وسائل تو تھے نہیں کہ عامۃ الناس اور ابناء دنیا قسم کے لوگ ان کے پاس آتے جاتے، ان کے پاس روحانی کمالات اور مُعجزات و کرامات ضرور تھے۔ جن کی وجہ سے لوگ ان کی طرف جھکتے تھے اور ان کے درِ دولت پر حاضر ہوتے تھے۔ لہٰذا بنی امیہ کے دور میں بڑی گہری سوچ و بچار کے بعد اہل

بیت نبوت کے روحانی اقتدار پر شبخون مارنے کے لیے بظاہر تارکِ دُنیا اور باطن سگ دنیا قسم کا ایک صوف پوش گروہ تیار کیا گیا۔ اور اسے حکومتی سرپرستی سے نوازا گیا۔ اور پھر اس گروہ کے خودساختہ کشوف وکرامات کی بڑے پیمانے پر تشہیر کی گئی، تاکہ عامۃ الناس کو آلِ محمد علیہم السلام کے دروازہ سے ہٹایا جائے اور ان لوگوں کے دروازہ پر جھکایا جائے۔

(انوارِ نعمانیہ از علامہ جزائریؒ)

تعجب ہوتا ہے کہ دین اسلام جیسے دین میں جس کی سند اور بنیاد یا خدا کا قرآن ہے یا مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان۔ اس میں یہ تحریف کس طرح واقع ہوئی؟۔

ابن عربی کا عقیدہ

ابن عربی جسے تصوف میں سند کی حیثیت حاصل ہے، اپنی مشہور کتاب "فصوص الحکم" میں لکھتا ہے:

"جس مقام سے نبی (علم) لیتے ہیں اسی مقام سے انسانِ کامل صاحب الزمان، غوث، قطب لیتے ہیں ...... یہ روایات بالمعنی ہیں اور ذاتی غلطی سے معصوم نہیں لیکن اولیاء براہِ راست رسولِ خدا سے دریافت کر لیتے ہیں، اگرچہ اولیاء انبیاء کے تابع ہوتے ہیں لیکن صاحب وحی دونوں ہوتے ہیں"۔

آہ! تکمیل دین اور ختم رسالت کے بعد تو مُسلمانوں میں تصوف کا تصور بھی نہیں آنا چاہیے تھا۔ لیکن اس نظریہ کو بڑے شد و مد کے ساتھ اسلام میں داخل کیا گیا۔ اور پھر اس نے وہ وسعت اور ہمہ گیری حاصل کی جس کا عشر عشیر بھی یہودیت، عیسائیت حتیٰ کہ مجوسیت اور ہندومت میں بھی نظر نہیں آتا۔

تصوف رہبانیت کی ہی بدلی ہوئی شکل کا نام ہے؟

قرآن مجید علی الاعلان کہتا ہے کہ رہبانیت (دنیوی زیبائش و آرائش اور دنیوی لذائذ کا ترک کرنا) عیسائیوں نے از خود گھڑ لیا تھا۔

وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (حدید: ۲۷)

"رہبانیت کو ہم نے ان پر واجب قرار نہیں دیا تھا، بلکہ انھوں نے اسے خود ایجاد کیا تھا، لیکن پھر بھی اسے نباہ نہ سکے"۔

لہٰذا صوفیوں کا ترک آرائش و زیبائش والا نظریہ انھیں عیسائیوں کے مسلک رہبانیت سے ماخوذ ہے۔ حالانکہ خداوند عالم دنیا کی جائز آرائش و زیبائش اور حلال لذائذ کے بارے میں فرماتا ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ (الاعراف: ۳۲)

"اے رسول! کہہ دو کہ زیب و زینت کو کس نے حرام قرار دیا ہے اور اس رزق کو جسے خدا نے پاکیزہ اور خوشگوار بنایا ہے کس نے حرام قرار دیا ہے۔ یہ تو ہیں ہی دنیا میں اور بالخصوص آخرت میں اہل ایمان کے لیے"۔

یہی وجہ ہے کہ اہل ایمان یوں دعا کرتے ہیں:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ (سورة البقرة: ۲۰۱)

اولین صوفیاء

قرآن وسنت میں تصوف اور صوفی کا کوئی نام تک نہیں ملتا۔ کیونکہ یہ زمانہ ...ی کی پیداوار ہیں۔ البتہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے عہد تک صوفیوں کی جماعت پیدا ہو چکی تھی جن میں کئی نام نظر آتے ہیں۔ جیسے سفیان ثوری، ابراہیم ادھم، عباد بصری، ایوب سجستانی، اور مالک بن دینار، اور ابو ہاشم عُثمان بن شریک اور معروف کرخی وغیرہ وغیرہ

مشہور صوفیا کی فہرست

دوسری صدی ہجری	ابراہیم ادھم	وفات	۱۶۲ھ
	رابعہ بصریہ	〃	۱۸۵ھ
تیسری صدی ہجری	معروف کرخی	〃	۲۰۶ھ
	ذوالنون مصری	〃	۲۴۵ھ
	سری سقطی بغدادی	〃	۲۵۹ھ
	بایزید بسطامی	〃	۲۶۱ھ
	جنید بغدادی	〃	۲۹۸ھ
	سہیل بن عبداللہ تستری	〃	۲۸۳ھ
چوتھی صدی ہجری	ابوبکر شبلی	〃	۳۳۴ھ
	ابوالقاسم قشیری	〃	۳۷۲ھ
	ابواسحاق ابراہیم بن شعبان	〃	۳۴۸ھ
	منصور حلاج	〃	۳۰۹ھ

پانچویں صدی ہجری	علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوری	وفات	سنہ ۴۶۵ھ
چھٹی صدی ہجری	غزالی	″	سنہ ۵۰۵ھ
	شیخ عبدالقادر گیلانی	″	سنہ ۵۶۱ھ
	شیخ فریدالدین عطار	″	سنہ ۵۷۲ھ
ساتویں صدی ہجری	خواجہ معین الدین اجمیری	″	سنہ ۶۳۳ھ
	شیخ اکبر محی الدین ابن عربی	″	سنہ ۶۳۸ھ
	خواجہ فریدالدین گنج شکر	″	سنہ ۶۷۰ھ
	مولانا جلال الدین رومی	″	سنہ ۶۷۳ھ
آٹھویں صدی ہجری	خواجہ نظام الدین اولیاء	″	سنہ ۷۲۵ھ
دسویں گیارھویں صدی	خواجہ باقی باللہ	″	سنہ ۱۰۱۲ھ
گیارھویں صدی	مجدد الف ثانی سرہندی	″	سنہ ۱۰۳۴ھ
بارھویں صدی ہجری	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	″	سنہ ۱۱۷۶ھ

متحدہ ہندوستان کے مشہور صوفیاء

مذکورہ بالا حضرات کا تعلق مختلف ممالک سے تھا۔ لیکن جو حضرات متحدہ ہندوستان میں مشہور صوفیاء گزرے ہیں ان کے نام یہ ہیں:

① سید سالار مسعود بھڑائچ	وفات	سنہ ۴۲۴ھ
② خواجہ معین الدین چشتی اجمیری	″	سنہ ۶۳۳ھ
③ جلال الدین تبریزی (بنگال)	″	سنہ ۶۴۲ھ
④ گیسو دراز پٹگام	″	سنہ ھ
⑤ جلال یمنی سلہٹ آسام	″	سنہ ۷۸۶ھ

		وفات
⑤	سید علی ہمدانی کشمیر	۷۹۱ سنہ ھ
⑥	شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی	" ۶۶۶ سنہ ھ
⑦	علاء الدین صابر کلیری	" ۶۹۰ سنہ ھ
⑧	سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت	" ۷۸۵ سنہ ھ
⑨	خواجہ باقی باللہ نقشبندی دہلی	" ۱۰۱۲ سنہ ھ

برصغیر میں صوفیوں کے مشہور خانوادے چار ہیں

① چشتیہ ② قادریہ ③ سہروردیہ ④ نقشبندیہ

جس طرح اربابِ شریعت کے مختلف فرقے اور مسالک ہیں اور ان میں باہمی اختلاف ہے، اسی طرح صوفیاء کے مختلف سلسلوں میں بھی باہمی اصولی اور فروعی اختلاف پایا جاتا ہے۔ (از کتاب تصوف کی حقیقت از پرویز)

اُن علماء اہل سنت کے نام

جنھوں نے تصوف کے خلاف فتویٰ دیا ہے اور اس کے خلاف لکھا ہے

یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ اکابر صوفیہ اپنے آپ کو اہل سنت کہتے تھے مگر علماء اہل سنت نے ان کے انہی کافرانہ و مُلحدانہ افکار و نظریات کی بنا پر ان کی مذمت کی ہے اور ان کے نظریات کو کفر و زندقہ قرار دیا ہے۔ جن میں سے بعض مشہور علماء کرام کے نام یہ ہیں:

① ابن جوزی اپنی کتاب تلبیس ابلیس میں
② فاضل زمخشری اپنی تفسیر کشاف میں

③ ابن خلکان اپنی کتاب وفیات الاعیان میں

④ فاضل دمیری اپنی کتاب حیوۃ الحیوان میں

⑤ میر سید شریف شرح مواقف میں

⑥ علامہ فخر الدین رازی اپنی کتاب اربعین میں

⑦ مولف بخاری شریف اپنی کتاب فاضحۃ الملحدین میں
وغیرہ وغیرہ

چوتھا باب

صوفیا کی مذمت سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے ارشادات

اور شیعہ علماء اعلام کے فرمائشات کی روشنی میں

ہمارے شیعہ علماء اعلام وفقہاء عظام کی کتابیں صوفیوں کی مذمت سے چھلک رہی ہیں، بلکہ ہمارے بڑے بڑے اکابر علماء وفضلاء نے اس فرقہ ضالہ و مضلہ کی رد میں مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ جیسے حضرت شیخ علی بن بابویہ، شیخ المحدثین محمد بن بابویہ (شیخ صدوقؒ) حضرت شیخ مفیدؒ، حضرت سید مرتضیٰ علم الہدیٰ، حضرت شیخ طوسی، حضرت علامہ حلی، حضرت شیخ شہید، حضرت سید مرتضیٰ رازی، حضرت علامہ مقدس اردبیلی، علامہ شیخ حر عاملی، علامہ مجلسی، محدث نوری، اور محدث قمی علیہم الرضوان اور انھوں نے سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی مستند احادیث اس فرقہ کی مذمت میں اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔

منجملہ ان احادیث کے ایک پیغمبر اسلام ﷺ کی یہ حدیث شریف بھی ہے جس میں اس فرقہ ضالہ و مضلہ کے ظہور کی پیشین گوئی کی گئی ہے اور یہ چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے معجزات میں داخل ہے کہ جیسا کہ آپؐ نے اطلاع الٰہی کے مطابق پیشین گوئی فرمائی تھی، حالات نے اس کی بالکل تصدیق و تائید کردی۔

① آپ فرماتے ہیں:

یا ابا ذرا یکون فی اخرالزمان قوم یلبسون الصوف فی صیفهم وشتائهم یرون ان لهم الفضل بذالك علی غیرهم اولئك یلعنهم ملائکة السموت و الارض الخ

"آخری زمانہ میں ایک ایسی جماعت پیدا ہوگی جو گرمیوں اور سردیوں میں صوف کا لباس پہنے گی اور یہ خیال کرے گی کہ اسے اس وجہ سے باقی لوگوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اس جماعت پر آسمان وزمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں"۔

(حدیقۃ الشیعہ از مقدس اردبیلیؒ، عین الحیوۃ از علامہ مجلسیؒ اور سفینۃ البحار از محدث قمیؒ وغیرہ)

② جناب محدث قمی علیہ الرحمہ نے حضرت شیخ بہائی علیہ الرحمہ کے حوالے سے اپنی کتاب سفینۃ البحار جلد ۲ صفحہ ۵۸ پر حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اور مستند حدیث شریف نقل کی ہے۔ فرمایا:

"میری امت میں سے ایک جماعت پیدا ہوگی ...... اسمهم الصوفیة لیسوا منی و انهم یحلقون للذکر و یرفعون اصواتهم یظنون انهم علی طریقی بل هم اضل من الکفار وهم اهل النار لهم شهیق الحمار الخ

جس کا نام صوفیہ ہوگا، جو مجھ سے نہیں ہے۔ وہ ذکر کے لیے حلقہ بنا کر بیٹھیں گے اور آواز بلند کریں گے، وہ گمان کریں گے کہ وہ میرے طریقہ پر ہیں، حالانکہ وہ کفار سے بھی زیادہ گمراہ ہیں اور وہ جہنمی ہوں گے۔ اور وہ گدھوں کی طرح آواز بلند کریں گے"۔

⑥ حضرت علامہ مُقدّس اردبیلی اعلی اللہ مقامہ اپنی جلیل القدر کتاب حدیقۃ الشیعہ میں باسنادِ خود رقمطراز ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ زمانہ حاضرہ میں (یعنی ماضی قریب) میں ایک جماعت پیدا ہوئی ہے جسے صوفیہ کہا جاتا ہے، آپ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا:

انهم اعدائنا فمن مال اليهم فهو منهم و يحشر معهم و سيكون اقوام يدعون حبنا و يميلون اليهم و يتشبهون بهم و يلقبون انفسهم بلقبهم و ياولون اقوالهم الا فمن مال اليهم فليس منا و انا منه براء و من انكرهم و رد عليهم كان كمن جاهد الكفار بين يدى رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم۔

"یہ لوگ لاریب ہمارے دشمن ہیں۔ پس جو شخص ان کی طرف مائل ہو اور ان سے محبّت رکھے وہ انہی میں سے شمار ہوگا، اور ان ہی کے ساتھ محشور ہوگا...... مزید فرمایا: عنقریب کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ہماری محبّت اور دوستی کا دعویٰ بھی کریں گے اور اس کے ساتھ ساتھ ان صوفیوں کی طرف میلان بھی رکھّیں گے اور ان کے ساتھ مشابہت اختیار کریں گے اور انہی والا لقب بھی اختیار کریں گے اور ان کے (کافرانہ و مشرکانہ) اقوال کی تاویلیں کریں گے۔ لہٰذا آگاہ ہوجاؤ کہ جو شخص ان کی طرف جھکاؤ کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہوگا۔ اور ہم اس سے بری و بیزار ہیں۔ اور جو ان سے نفرت کرے گا اور ان کا انکار کرے گا وہ اجر و ثواب میں اس شخص کی مانند ہوگا جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

ہمراہ ہو کر کفار سے جہاد کرے"۔

(حدیقۃ الشیعہ صفحہ ۵۶۲ طبع جدید)

④ نیز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا:

"الصوفية كلهم من اعدائنا و طريقتهم مباينة طريقتنا"۔

"سب کے سب صوفی ہم آل محمدؑ کے دشمن ہیں اوران کا طریقہ کار ہمارے طریقہ کار کے منافی ہے"۔ (ایضاً)

⑤ نیز جناب مُقدّس اردبیلی حضرت شیخ مُفید علیہ الرحمہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت امام علی نقی علیہ السلام اپنے بعض اصحاب کے ہمراہ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ صوفیوں کا ایک گروہ وارد ہوا، اور مسجد نبوی میں ایک طرف دائرہ کی شکل میں بیٹھ کر تہلیل کرنے لگا۔ (لا الہ الا اللہ کا ورد کرنے لگا) حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ان کی طرف توجہ نہ کرو، یہ شیطان کے خلیفے ہیں۔

"انهم اخس طوائف الصوفية و الصوفية كلهم من مخالفينا و طريقتهم مغائرة لطريقتنا و ان هم اِلّا نصارىٰ و مجوس هذه الامة الخ"۔

"یہ صوفیوں کا پست ترین گروہ ہے اور سب صوفی ہمارے مخالف ہیں اوران کا راستہ ہم اہل بیتؑ کے راستہ سے جدا ہے اور یہ لوگ اس امت کے نصاریٰ و مجوسی ہیں"۔

(حدیقۃ الشیعہ صفحہ ۶۰۲ وغیرہ)

وفیما ذکرناہ کفایۃ لمن لہ ادنی درایۃ

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ زمانِ ائمہؑ میں جو مشہور صوفی تھے جیسے سفیان ثوری وعباد بصری وغیرہ، وہ ہمیشہ ائمہ اہل بیتؑ سے بحث و مباحثہ کیا کرتے تھے، اور ان ذواتِ مُقدّسہ کو نیچا دکھانے کی خاطر ہر گھٹیا حرکت کرنے اور ان کی پوشاک وخوراک پر ایراد کرنے میں اپنا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ اس قسم کے واقعات عام کتابوں کے علاوہ اصول کافی جیسی مستند کتاب میں بھی مرقوم ہیں۔

اور یہ جو حضرت جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ عنقریب ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ایک طرف ہماری محبّت کا دعویٰ کریں گے اور دوسری طرف ان صوفیوں کی طرف مائل بھی ہوں گے اور ان کے کافرانہ ومشرکانہ اقوال و افعال کی دوراز قیاس تاویلیں بھی کریں گے اور برملا کہیں گے کہ ان صوفیا اور عرفاء کے کلام کا ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے بلکہ ان کا حقیقی مفہوم بڑا گہرا ہوتا ہے۔ ہر شخص ان کا مطلب نہیں سمجھ سکتا...... بھلا ایک اہل علم قرآن کا ظاہری مفہوم سمجھ سکتا ہے اور ظواہر قرآن حجّت بھی ہیں اور سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کا کلام حق ترجمان بھی اہل علم سمجھ سکتے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں مگر یہی اہل علم ان صوفیوں اور نام نہاد عارفوں کا کلام باطل التیام نہیں سمجھ سکتے؟ جو شخص فارسی زبان کی کچھ شد بد بھی رکھتا ہے وہ ملا رومی کے اس کلام باطل التیام کا مطلب نہیں سمجھ سکتا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے؟

ہر لحظہ بشکلے بت عیار بر آمد دل بر دو نہاں شد
ہر دم بلباس دگر آں یار برآمد گہ پیر و جواں شد
خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ خود رند و سبوکش
خود برسرآں کوزہ خریدار بر آمد بشکست و رواں شد

خود گشت صراحی و مئے و ساغر و ساقی خود بزم نشین شد
خورد آں مئے و سرمست ببازار آمد شور دل و جاں شد
(مثنوی رومی)

واضح رہے کہ وہ وحدت الوجود کے کافرانہ عقیدہ کو تشبیہ واستعارہ کی زبان میں کہہ رہے ہیں کہ : خدا کوزہ بھی ہے، کوزہ کی مٹی بھی ہے اور اس کا بنانے والا بھی ہے، بیچنے والا بھی ہے، اور خریدار بھی ہے ۔ یعنی ہمہ اوست ۔ وہ شکلیں بدل بدل کر سامنے آتا ہے ۔ بہر حال پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیشین گوئی اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ حدیث آنحضرتؐ کی نبوت اور امامؑ کی امامت و صداقت کا یہ زندہ معجزہ ہے کہ آج محبّت اہل بیتؑ کے دعویدار لوگوں میں بھی بہت سے ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو اب نام نہاد عرفاء کے کلام باطل نظام کو پڑھتے ہیں اور سر دھنتے ہیں اور اسے درست ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اور صوفیہ وعرفاء کے گن گاتے ہیں ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

تھا جو نا خوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ بدل ہی جاتے ہیں غلامی میں قوموں کے مزاج

صوفیاء کی مذمت شیعہ علماء اعلام کی کتب میں روشنی میں

جب سے اسلام میں یہ باطل فرقہ داخل ہوا ہے تب سے ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی طرح ان کے خدام یعنی شیعہ علماء اعلام نے بھی برابر اس بدعقیدہ و بدعمل جماعت کی کُھلّم کھلا مذمت اور مخالفت کی ہے ۔ چنانچہ علماء مُتقدمین جیسے حضرت شیخ صدوق، حضرت شیخ مُفید، جناب سید مرتضٰی علم الہدیٰ، جناب شیخ طوسی، جناب مُحقّق طوسی نے اپنی اپنی تصانیف وتالیفات کے ضمن میں اسی طرح علماء

متاخرین میں سے علامہ حلی سے لے کر علامہ شیخ مقدس اردبیلی اور علامہ شیخ حر عاملی اور علامہ مجلسی تک اور ان سے لے کر جناب آقائے محدث نوری و محدث قمی اور آقا سید شہاب الدین مرعشی قمی تک بعض اعلام نے ضمنی طور پر اور بعض حجج اسلام نے مستقل کتابیں لکھ کر اس فرقہ باطلہ کی تردید کا حق ادا کر دیا ہے۔ شکر اللہ مساعیهم الجميلة و جزاهم جزاء جزيلا۔

چنانچہ حضرت علامہ حلی علیہ الرحمہ اپنی کتاب "کشف الحق و نہج الصدق و الصواب" میں صوفیاء و عرفاء کی توحید یعنی وحدت موجود کے بارے میں صریح کفر کا فتویٰ دیا ہے۔

جناب مقدس اردبیلی نے حدیقۃ الشیعہ میں علامہ شیخ حر عاملی نے رسالہ اثنا عشریہ میں اور علامہ سید حسین لکھنوی نے حدیقہ سلطانیہ میں اور علامہ مجلسی نے عین الحیات اور بحار الانوار میں اس ضال و مُضل فرقہ کی رد کر کے احقاقِ حق اور ابطال باطل کا فریضہ ادا کر دیا ہے اور جہاں تک سرکار آقائے آقا سید شہاب الدین نجفی مرعشی و قمی کا تعلّق ہے انھوں نے حضرت شیخ شہید ثالث کی معرکۃ الآراء کتاب "احقاق الحق" کی پہلی جلد کے حاشیہ پر صفحہ ۱۸۲ سے لے کر ۱۸۵ تک اس فرقہ ضالہ و مضلہ کی مفصل و مدلل رد کر کے تحقیق حق کا حق ادا کر دیا ہے۔

فرماتے ہیں:

"و عندی ان مصيبة الصوفية على الاسلام من اعظم المصائب تهدمت بها اركانه"۔

"میرے نزدیک اسلام پر سب سے بڑی مصیبت صوفیہ ہیں، جس کی وجہ سے اسلام کے ارکان ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں"۔

(حاشیہ احقاق الحق جلد اول)

علاوہ بریں اس فرقہ ضالہ ومضلہ کی تردید میں قلم اٹھانے والے علماء اعلام میں درج ذیل علماء عظام نہایت قابل قدر ہیں:

① فاضل کراجکی کنز الفوائد میں
② فاضل سید مرتضیٰ رازی الفصول میں
③ جناب شہید ثانی اپنے رسالہ شرح درایۃ الحدیث میں
④ علامہ سید نعمت اللہ جزائری اپنی کتاب انوار نعمانیہ میں
⑤ ملا محسن فیض اپنے رسالہ انصاف میں
⑥ حضرت شیخ بہائی اپنی کتاب کشکول میں
⑦ جناب محقق قمی اپنی کتاب جامع الشتات میں
⑧ محدث جلیل مرزا حسین نوری اپنی کتاب مستدرک الوسائل میں
⑨ شیخ علی اکبر نہاوندی اپنی کتاب عبقری الحسان میں
⑩ فاضل سید محمد باقر روضاتی اپنی کتاب روضات الجنات میں
⑪ آیت اللہ سید کاظم یزدی اپنی کتاب عروۃ الوثقیٰ میں
⑫ آیت اللہ سید ابوالحسن اصفہانی اپنے حاشیہ عروۃ الوثقیٰ میں

الی غیر ذالك من العلماء
الاعلام والفقهاء العظام
رضوان الله عليهم
اجمعين

☆

پانچواں باب

فرقہ ضالہ ومضلہ صوفیہ کے عقائد باطلہ وعاطلہ کا بیان

اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ دین اسلام جو خداوند عالم کا آخری الہامی وربانی اور برحق دین ہے وہ چند اصول وعقائد اور چند فروع از قسم عبادات، معاملات، اخلاقیات، معاشیات اور سیاسیات کا مجموعہ ہے۔ مگر قصر اسلام کے اصل الاصول اور بنیادی خشت اول کا نام "توحید" ہے، جیسا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: "اول الدین معرفۃ الجبار"۔ (توحید شیخ صدوق)

اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام بھی نہج البلاغہ کے پہلے ہی خطبہ میں فرماتے ہیں: "اول الدین معرفتہ" کہ دین اسلام کے حجر اساسی کا نام توحید ہے۔ (نہج البلاغہ)

اگر عقیدہ توحید صحیح اور درست ہے تو اسلام کی ساری عمارت درست ہے اور اگر خشت اول ہی ٹیڑھی ہے تو پھر ثریٰ سے ثریا تک تمام عمارت ٹیڑھی ہی رہے گی۔ بقول شاعر:

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

بدقسمتی سے اس گروہ کی یہی خشت اول ہی کج رکھی گئی ہے۔ ان لوگوں کے مسلک کی اساس ہی ① حلول ② وحدۃ الوجود، اور ③ وحدۃ الشّہود یا وحدۃ

الموجود پر ہے۔ اور یہ تینوں عقیدے اسلامی توحید کی ضد ہیں۔ "و الضدان لا یجتمعان" ایک مُسلمہ حقیقت ہے۔

① حلول کیا ہے؟

ہندوؤں کے ہاں اوتار کا عقیدہ عام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خود ایشور (خدا) مادی مخلوق کے پیکر میں نمودار ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ ان کے ہاں رام اور کرشن خدا کے اوتار مانے جاتے ہیں۔ اور یہی بدعقیدہ غالیوں یعنی نصیریوں، کیسانیہ، قرامطہ، اور باطنیہ کا ہے کہ حضرت علی اور ان کی اولاد امجاد خدا کے اوتار ہیں۔ اور یہی غلط عقیدہ صوفیہ کے عقائد میں داخل ہو گیا ہے اور ان میں حسین بن منصور حلاج اس عقیدہ کا پہلا علمبردار سمجھا جاتا ہے۔ جس کا دعویٰ تھا کہ خدا کی ذات اس میں حلول کر گئی ہے۔ اسی وجہ سے وہ "انا الحق" کا نعرہ لگاتا تھا۔

چنانچہ کسی صوفی شاعر کا شعر ہے:

خود رازِ انا الحق وہی کھول رہا ہے
منصور کے پردے میں خدا بول رہا ہے

ابن عربی نے فصوص الحکم میں لکھا ہے:

فھو من حیث الوجود عین الموجودات

کہ "خدا وجود کے اعتبار سے عین موجودات ہے"۔

(فص ادریسیہ طبع مصر)

نیز وہ لکھتا ہے:

فھو الساری فی مسمی المخلوقات و المبدعات

خدا ہی ساری مخلوقات میں جاری وساری ہے۔ (ایضاً)

یہی منصور حلاج خدا کو خطاب کر کے یہ کفریہ شعر کہتا ہے:

مزجت روحك فی روحی كما
تمزج الخمرة بالماء الذلال

یعنی "تیری روح میری روح کے ساتھ اس طرح مل گئی ہے جس طرح شرابِ صاف وشفاف پانی میں ملا دی جاتی ہے"۔

(البدایہ والنہایہ)

ابن ندیم نے لکھا ہے کہ حلاج اپنے پیروکاروں کے سامنے اپنی خدائی کا دعویٰ کرتا تھا۔ (فہرست ابن الندیم جلد ۱ صفحہ ۱۳۲۳)

مرزا غالب کہتے ہیں:

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہم کو تقلید تنک ظرفی منصور نہیں

ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ کفریہ ہے اور اسلامی عقائد حقہ کے منافی ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں ہم باب دوم میں صفاتِ سلبیّہ کے ضمن میں واضح کر آئے ہیں کہ خداوند عالم کسی بھی شئے میں حلول نہیں کرتا، اور یہ عقیدہ صرف باطل ہی نہیں بلکہ ناممکن اور محال بھی ہے۔

اور اس کے کفر ہونے کا خود حلاج کو بھی اقرار تھا۔ چنانچہ وہ خود کہتا ہے:

كفرت بدين الله و الكفر واجب
لدی و عند المسلمین قبیحٌ

یعنی "میں نے اللہ کے دین کا انکار کیا ہے، اور یہ انکار میرے نزدیک واجب ہے اور مُسلمانوں کے نزدیک قبیح امر ہے"۔

اسی بنا پر عباسی خلیفہ المقتدر باللہ نے علماء اسلام سے اس کے قتل کے محضر نامہ پر مہریں لگوا کر اسے ماہِ ذی القعدہ ۳۰۹ھ میں بغداد میں قتل کر دیا تھا۔

مشہور یہ ہے کہ حلاج کے کفر اور اس کے قتل کے جواز کا فتویٰ دینے اور اس کے قتل کے محضر نامے پر دستخط کرنے والوں میں حضرت امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے نائب خاص جناب حسین بن روح نوبختیؒ بھی شامل تھے۔
(احتجاج طبرسی، وکتاب غیبت شیخ طوسیؒ)

② وحدۃ الوجود

چونکہ حلول کا عقیدہ کھلم کھلا کفر دکھائی دیتا تھا، لہٰذا عوام اس کا اقرار کرنے سے ہچکچاتے تھے۔ لہٰذا محی الدین (بالفاظِ مناسب ممیت الدین) ابن عربی نے بڑی مغالطہ آمیز صورت میں، یعنی وحدۃ الوجود کی شکل میں اپنا عقیدہ پیش کیا، جس کا عام فہم مفہوم یہ ہے کہ پوری کائنات ارضی وسماوی میں کسی چیز کا اپنا کوئی وجود نہیں ہے۔ جو کچھ نظر آتا ہے وہ سب خدا ہے۔ یعنی خدا ہر شئے ہے اور ہر شئے خدا ہے۔ ابن عربی کے بعد یہ عقیدہ اب تصوف کی روح رواں سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ بدیہی طور پر کفر وشرک ہے۔

اسی بدعقیدہ کو تصوف کی اصطلاح میں "ہمہ اوست" کہا جاتا ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں خداوند عالم فرماتا ہے: "مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى" (طٰہٰ:۵۵) جس کا سیدھا سادھا ترجمہ یہ ہے کہ: "ہم نے تمھیں (انسانوں کو) زمین سے پیدا کیا ہے، پھر تمھیں اسی میں لوٹائیں گے اور پھر ایک بار اسی سے تمھیں نکالیں گے"۔

مگر ابن عربی اس کی تفسیر یوں کرتا ہے:

"ہم سب احدیت سے نکلے تھے، فنا ہو کر پھر احدیت میں جا چھپیں گے، پھر بقا ملے گی اور دوبارہ نمودار ہوں گے۔ (فصوص الحکم)

لا حول و لا قوة الا باللہ! ظاہر ہے کہ جب سب کچھ خدا ہی ہے، رام بھی وہی ہے اور رحیم بھی وہی ...... تو پھر مختلف اشیاء، مختلف افراد، حتی کہ مختلف عقائد و نظریات میں تفریق و تمیز ہی غلط ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ابن عربی کہتا ہے کہ:

"فرعون کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ کہے: "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلیٰ" کیونکہ فرعون ذاتِ حق سے جدا نہ تھا۔ اگرچہ اس کی صورت فرعون کی سی تھی"۔ (فصوص الحکم)

یہی ابن عربی خدا کو خطاب کر کے کہتا ہے:

لا آدم الکون و لا ابلیس
لا ملك سلیمان و لا بلقیس
فالکل عبارة و انت المعنی
یا من هو للقلوب مقناطیس

(کتاب وحدۃ الوجود والشہود صفحہ ۱۴۸)

یعنی "نہ کوئی آدم ہے اور نہ ابلیس، نہ کوئی ملک سلیمان ہے اور نہ بلقیس۔ یہ سب کچھ عبارت ہے اور تو معنی ہے۔ اے وہ جو دلوں کے لیے مقناطیس ہے"۔

نیز ابن عربی کہتا ہے:

سبحان من اظهر الاشياء و هو عينها فما نظرت فی غير وجهه و ما سمعت اذنی بخلاف کلامه

"پاک ہے وہ ذات جس نے مختلف اشیاء کو ظاہر کیا، جبکہ وہ ان کا عین ہے۔ چنانچہ میں نے بھی اس کے چہرہ کے سوا کچھ نہیں دیکھا اور میرے کانوں نے اس کے کلام کے سوا کوئی کلام نہیں سنا۔ (ایضاً)

اسی سلسلہ کا ایک ترجمان محمود شبستری کہتا ہے:

مسلمان گر بدانستے کہ بت چیست
بدانستے کہ دیں در بت پرستی است

(مثنوی گلشن راز صفحہ ۲۹۴ طبع لاہور)

یعنی "اگر مُسلمان کو یہ معلوم ہوتا کہ بت کیا ہے؟ تو اسے معلوم ہو جاتا کہ دین تو بت پرستی میں ہے"۔
مقصد یہ ہے کہ بت بھی خدا ہی ہے، لہٰذا بت پرستی بھی خدا پرستی ہی ہے۔
العیاذ باللہ۔

حافظ شیرازی بھی اسی نظریہ باطلہ کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتا ہے:

در قبلہ و بتخانہ تو مسجودی و معبود
رو سوئے تو می باشد صاحب نظراں را

"اے اللہ! کعبہ و بت خانہ میں مسجود و معبود تو ہی ہے۔ اصحاب فکر ونظر کا چہرہ تو تیری طرف ہی ہوتا ہے"۔ (دیوانِ حافظ)

الغرض:

ندیم و مطرب و ساقی همه اوست
خیال آب و گل در ره بهانه است

اسی مطلب کو غالب نے اپنے مخصوص انداز میں یوں ادا کیا ہے:

اصل شہید و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

اگرچہ اسلام میں نظریہ وحدۃ الوجود داخل کرنے والوں کی فہرست میں نام ابن عربی کا نظر آتا ہے۔ مگر اس نظریہ کو پروان چڑھانے اور اسے عین

اسلام ثابت کرکے امت مُسلمہ کے خون کے ذرات میں تحلیل کرنے کے سلسلہ میں نمایاں نام جلال الدین رومی کا نظر آتا ہے۔ جس نے شعر کی زبان میں عام فہم اور دلکش انداز میں اس طرح پیش کیا کہ اب مدرسہ ہو یا خانقاہ، منبر ہو یا محراب، دلوں کو گرمانے اور سامعین کو وجد میں لانے کے لیے مثنوی رومی جادو کا کام دیتی ہے۔ اس مثنوی کو "ہست قرآں درزبانِ پہلوی"...... جو کہ درحقیقت کفر وشرک کا مجموعہ ہے، یہی رومی ہے کہ جو شمس تبریزی کی محبّت میں اس طرح دیوانہ وار گرفتار ہوا کہ کتابوں کو چھوڑ کر، درس وتدریس کا سلسلہ توڑ کر ایک مست قلندر کی طرح قونیہ کی گلیوں کوچوں میں گھومنے اور ناچنے لگا، اور یہ راگ الاپنے لگا:

پیر من، مرید من، دردِ من، دوائے من
فاش بگفتم در سخن شمس من خدائے من

الغرض وحدۃ الوجود کے نقطہ نگاہ سے کفر واسلام میں اور موسیٰؑ وفرعون میں کوئی فرق نہیں۔ جیسا کہ ابن عربی نے کہا تھا کہ وحدۃ الوجود کی رو سے حضرت موسیٰؑ اور فرعون میں کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ دونوں ایک ہیں (العیاذ باللہ)

رومی بھی یہی راگ الاپتا ہے:

چونکہ بے رنگی اسیر رنگ شد
موسیٰ با موسیٰ در جنگ شد

پنجابی صوفی شعراء جیسے بلھے شاہ، خواجہ فرید، شاہ حسین وغیرہ کے پنجابی زبان میں کافرانہ ومشرکانہ اور بے باکانہ اشعار پیش کرکے ہم اپنی کتاب کے صفحات کو نجس نہیں کرنا چاہتے۔ کہ انھوں نے کس طرح احکامِ شریعت کا مذاق اڑایا ہے۔ اور خدا کو ہر شئے میں جلوہ گر دکھایا ہے اور مصطفیٰ اور خدا کو کس طرح ایک کرکے دکھایا ہے؟

الغرض وحدت الوجود کے نظریہ کے مطابق صرف ایک ذات کا وجود ہے اور وہ ذات باری تعالیٰ کی ہے۔ باقی سب عدم ہے۔ یہ جو ہمیں موجودات میں کثرت نظر آتی ہے یہ وحدت میں کثرت ہے۔ بادل، بارش، آبشار، ندی، نالہ، دریا، سمندر، قطرہ اور بلبلا سب ایک پانی کے مختلف مظاہر ہیں۔ ہر وجود پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ میں پانی ہوں۔ کائنات کا ہر وجود "وجودِ مُستعار" ہے۔ اس کی اپنی کوئی ہستی نہیں ہے۔ اسی طرح جس طرح زمین کی اپنی کوئی روشنی نہیں ہے وہ روشنی سورج سے مُستعار لیتی ہے (حاشیہ تصوف و تشیّع کا فرق) خلاصہ یہ کہ وحدت الوجود کے نظریہ کے مطابق ثواب وعقاب کا تصور ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب اس نظریہ کے تحت نیکی کرنے والا بھی خدا ہے اور برائی کرنے والا بھی خدا ہے، اب وہ کسی نیکوکار کو ثواب دے تو کیسے اور کسی بدکار کو سزا دے تو کیسے؟ جبکہ نیک یا بد انسان خدا کا حصّہ ہے؟ "چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیرما؟"۔

③ وحدۃ الشّہود

ہم نے اس باب کے آغاز میں کہا تھا کہ مسلک تصوف کی اساس تین عقائد پر ہے۔ ①حلول ② وحدۃ الوجود اور③ وحدۃ الشّہود...... پہلے دو کا تذکرہ اوپر ہو چکا، اب تیسرے عقیدہ کا مختصر بیان کیا جاتا ہے......

① وحدۃ الوجود کا نظریہ ابن عربی نے ایجاد کیا تھا، اور وحدۃ الشّہود کا عقیدہ شیخ علاء الدین...... (وفات ۷۳۶ھ) نے وضع کیا اور ہندوستان میں اس کی شہرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے ذریعہ ہوئی...... اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ وحدۃ الوجود کے نظریہ کے مطابق کائنات میں کوئی شئے اپنا مستقل وجود نہیں رکھتی جو کچھ موجود ہے وہ خدا ہے۔ یہاں تک کہ انسان بھی خدا ہے......

مگر وحدة الشّہود کے نظریہ کے مطابق کائنات کی ہر شئے خدا تو نہیں لیکن اس کا ظل اور سایہ ہے...... یہ بات تو دونوں نظریوں کے مطابق مُسلّم ہے کہ کائنات اپنا کوئی مستقل وجود نہیں رکھتی، البتّہ ان میں فرق یہ ہے کہ وحدة الوجود کے عقیدہ کے مطابق ہر شئے خدا ہے، اور وحدة الشّہود کے نظریہ کے مطابق ہر شئے خدا کا سایہ ہے۔

(۲) اس نظریہ کے مطابق انسانی روح، روح خداوندی کا جزء تو نہیں ہے لیکن انسان کشف ووجدان اور مراقبہ وعرفان کے ذریعے ایسی بلندیوں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کی ذات ذاتِ خداوندی میں مدغم ہو جاتی ہے۔ جسے یہ فنا فی اللہ اور باقی باللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ اس مقام پر پہنچ کر ایک صوفی صافی اور عرفان بافی یہ راگ الاپتا ہے:

من تو شدم تو من شدی
من جاں شدم تو تن شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں
من دیگرم تو دیگری

اسی وجہ سے یہ لوگ اپنے صوفیا اور اولیا کی وفات کو وفات نہیں کہتے بلکہ وصال کہتے ہیں۔ یعنی وہ بزرگ واصل بالحق ہو گیا ہے۔ یعنی: ع

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

بہر حال مذکورہ بالا بیان واجب الاذعان سے یہ حقیقت مہر نیمروز کی طرح واضح و آشکار ہو گئی کہ صوفیہ کے عقائد و نظریات قرآنی و اسلامی تعلیمات اور معصومی ارشادات کے بالکل منافی و مُتضاد ہیں۔ اور ان کا اسلامی و قرآنی تعلیمات و تلقینات کے ساتھ اتنا بھی تعلّق نہیں ہے جتنا کہ کھجور کی گٹھلی کا تعلّق اس

کے چھلکے سے ہوتا ہے۔ بلکہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ع

وبضدھا تتبین الاشیاء

باقی رہی یہ بات کہ یہ لوگ اپنے اولیاء کے یوم وفات پر عرس کیوں مناتے ہیں؟ عرس اور عروسی کا مادہ تو ایک ہے۔ نامعلوم یہ لوگ ان کے مرنے کے بعد کس سے ان کی شادی کراتے ہیں۔ع

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

عرس اور میلے

یہ چیز پہلے متحدہ ہندوستان اور اب ہندوپاک کے خُصُوصیات میں سے ہے کہ یہاں بزرگوں کے مزارات پر ان کے یوم وفات پر سالانہ عرس منائے جاتے ہیں، جن کی حیثیت ایک میلے کی ہو کر رہ گئی ہے۔ جسے سادہ لوح عوام مُسلمان ایک بڑی عبادت سمجھ کر عرفات، مزدلفہ، اور منیٰ کی طرح جمع ہوتے ہیں اور کیا عرض کیا جائے کہ اس عرس اور میلے کے موقع پر کس طرح خدائے رحمٰن کو ناراض اور شیطان کو خوش کرنے کے لیے کیا کیا گل کھلائے جاتے ہیں۔ اور کیا کیا خلافِ شرع کام انجام دیلے جاتے ہیں؟ مثلاً یہاں......

① زندہ اور مُردہ بتوں کو سجدے کیے جاتے ہیں۔ حالانکہ شریعت مُقدّسہ میں غیر اللہ کو ہر قسم کا سجدہ کرنا بالاتفاق حرام ہے۔ چنانچہ بریلوی فرقہ کے امام احمد رضا خان نے غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کرنے کی حرمت پر ایک مستقل رسالہ بنام "الزبدۃ الزکیہ فی تحریم سجود التحیہ" لکھا ہے۔

② قبروں پر بھاری بھرکم نذرانے اور چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ کوئی مرید دُنبا اور بکرا لا رہا ہے، کوئی گھی کا ٹین لا رہا ہے، کوئی آٹے

کی بوری لا رہا ہے، اور کوئی سرمایہ دار نوٹوں کی دتھیاں پیش کر رہا ہے۔ حالانکہ یہ نذر و نیاز مالی عبادت ہے، اور ہر قسم کی عبادت کا مستحق پروردگارِ عالم ہے۔ اور یہ چڑھاوے چڑھانا خالص ہندوؤں کی رسم بد ہے۔

۳ قوالیاں ہوتی ہیں۔ جو سرتال اور گانے بجانے کی بدلی ہوئی شکل کا نام ہے۔ جس میں پکے راگ و رنگ بھی ہوتے ہیں اور آلاتِ غنا از قسم طبلہ و سارنگی وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ جن کا استعمال شرعاً بالکل حرام ہے۔

۴ ان عرسوں میں کنجر اور کنجریاں جمع ہوتے ہیں اور ناچتے گاتے ہیں۔ اور لوگوں کو دعوتِ عصیاں و گناہ دیتے ہیں۔ دھمالیں ڈالتے ہیں اور خلافِ شرع کام کرتے ہیں اور اس طرح وہ لوگ بزرگوں کی بارگاہ میں عقیدت کے پھول نثار کرتے ہیں۔

۵ ان عرسوں میں زناکاری اور بدکاری عام ہوتی ہے۔ اور یہ بات "عیاں را چہ بیاں" کی مصداق ہے کہ اس قسم کے مقامات بدکاری کے اڈے بن گئے ہیں۔

۶ ان عرسوں پر منشیات کا استعمال عام ہوتا ہے۔ یہاں بھنگ، چرس، ہیروئن، بلکہ شراب خانہ خراب عام چلتی ہے۔ اور شطرنج تک کھیلا جاتا ہے۔

۷ قبروں اور مزاروں کا طواف کیا جاتا ہے۔ حالانکہ شریعتِ مقدّسہ اسلامیہ میں خانہ کعبہ کے سوا کسی بھی چیز کا طواف جائز نہیں ہے۔

۸ یہاں مردوں اور عورتوں کا بے پردہ عام اختلاط ہوتا ہے۔ جو کہ تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ اور بالاتفاق حرام ہے۔ اور پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ان تمام خلافِ شرع کاموں کا ثواب صاحبِ قبر کی روح پُر فتوح کو ہدیہ کیا جاتا ہے۔ ؎

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

پیرومُرشد، ابدال، اوتاد اور اقطاب والا عقیدہ

انبیاء وائمہ اور شہداء کو چھوڑا۔ کیونکہ ان کے بارے میں اس قسم کی بحث کرنا جہاں سوءادبی ہے، وہاں ان کی حیات بعد الممات کا بنصِ قرآن ہمیں شعور نہیں ہے۔ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرہ:١٥٤) ان کے علاوہ جہاں تک باقی عوام یا خواص لوگوں کا تعلّق ہے تو ان کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا لب لباب یہ ہے کہ ان کی موت کے بعد ان کا اس دُنیا سے ہر قسم کا تعلّق ختم ہوجاتا ہے، نہ ان کا زندوں سے اور نہ زندوں کا ان سے کوئی ربط و تعلّق ہوتا ہے اور نہ ان کو دُنیا و ما فیہا کے بارے میں کوئی علم ہوتا ہے۔ بس اب تو وہ اپنے ان اعمال و افعال کی جزا و سزا کے مُنتظر ہیں، جو انھوں نے دارِ دُنیا میں انجام دیے تھے۔ جو خداوند عالم ان کو قیامت کے دن دے گا۔ مگر صوفیہ کا خلاف اسلام یہ عقیدہ ہے کہ ان کے نام نہاد اولیاء مرنے کے بعد بھی بدستور سابق زندہ رہتے ہیں اور دُنیا کے ساتھ ان کے تعلقات بدستور سابق قائم رہتے ہیں، بلکہ مرنے کے بعد ان کے اختیارات میں اور وسعت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ خدا کی قضا و قدر میں تصرف کرتے ہیں اور اس کائنات کا نظم و نسق انہی کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور وہ اس عالم میں بھی دنیا والوں کے حالات پر نظر رکھتے ہیں اور ان کے حالات کی نگرانی کرتے ہیں اور ان کی حاجت روائی اور مُشکل کشائی بھی کرتے ہیں اور ان کے الگ الگ گروہ ہیں اور الگ الگ فرائض و وظائف ہیں۔

کچھ "ابدال" ہیں جو انبیاء کا بدل ہیں۔ کچھ "اوتاد" ہیں جو کہ زمین کی میخیں ہیں کہ انہی کی بدولت زمین قائم ہے۔ اور کچھ "اقطاب" ہیں۔ یعنی آسیائے عالم کے قطب ہیں کہ انہی کے اردگرد دُنیا کی چکّی گھومتی ہے۔

ان لوگوں کے بارے میں ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اپنے عقیدتمندوں کی دعاوپکار کو سنتے ہیں اوران کی حاجتیں پوری کرتے ہیں، اوران کے حالات وواقعات سے آگاہ ہوتے ہیں اورضرورت کے وقت ان کی مدد بھی کرتے ہیں۔ اپنے مزاروں پر حاضری دینے والوں کو دیکھتے ہیں اوران کے نذرانے وصول کرتے ہیں اوران کی مُرادیں برلاتے ہیں۔ حالانکہ......

یہ اعتقاد قرآن اور تعلیماتِ اسلام کے خلاف ہے

① قرآن کہتا ہے:

اِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡا دُعَآءَكُمۡ ج وَلَوۡ سَمِعُوۡا مَا اسۡتَجَابُوۡا لَكُمۡ ط وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكۡفُرُوۡنَ بِشِرۡكِكُمۡ ط وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثۡلُ خَبِيۡرٍ (فاطر:١۴)

"اگرتم ان مرنے والوں کو پکاروتو وہ تمھاری دعاوپکار کونہیں سنتے اور اگر بفرض محال سُن بھی لیں تو وہ تمھیں جواب نہیں دے سکتے"۔

② ارشادِ قدرت ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُسۡمِعُ مَنۡ يَّشَآءُ ط وَمَآ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِى الۡقُبُوۡرِ ﴿٢٢﴾ (فاطر:٢٢)

"خدا جسے چاہتا ہے اپنی بات سنواتا ہے، مگر آپ اے رسولؐ! قبروں والوں کواپنی بات نہیں سنوا سکتے"۔

③ نیز ارشادِ قدرت ہے:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ (احقاف:۵)

"اس سے بڑا گمراہ کون ہے جو خدا کو چھوڑ کر اسے پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا و پکار کو سُن ہی نہیں سکتا۔ بلکہ وہ ان کی دعا و پکار سے غافل ہیں کہ کون پکار رہا ہے اور کیا طلب کر رہا ہے"۔

④ نیز ارشادِ قدرت ہے:

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَّمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (النحل:۲۱)

"یہ لوگ مُردہ ہیں، زندہ نہیں ہیں۔ انھیں یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ (قیامت کے دن) کب اٹھائے جائیں گے"۔

⑤ قرآن شاہد ہے کہ لوگ مرنے کے بعد تمنا کریں گے کہ:

رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا (مومنون: ۹۹۔۱۰۰)

"اے میرے پروردگار ایک بار مجھے دارِ دنیا میں بھیج دے تاکہ میں عمل صالح بجالاؤں"۔

مگر ارشادِ قدرت ہوگا: كَلَّا ...... ہرگز نہیں۔

ان آیاتِ بینات سے واضح و عیاں ہو گیا کہ مرنے والوں کا موت کے بعد اس عالم دنیا سے تعلّق ختم ہو جاتا ہے، نہ ان کا ہمارے ساتھ کوئی تعلّق ہے اور نہ ہمارا ان کے ساتھ کوئی رابطہ ہے۔ ؏

یہی تھے دو حساب سو یوں پاک ہو گئے

☆

چھٹا باب

صوفیہ کے عبادات اور دیگر اذکار و اَوراد اور وظائف کا بیان

اربابِ دانش و بینش پر مخفی و مستور نہیں ہے کہ عقیدہ و عمل لازم و ملزوم ہیں۔ ان میں علیحدگی اور جدائی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں عقیدہ و ایمان صحیح ہوگا، وہاں عمل بھی صحیح و صالح ہوگا۔ اور جہاں عقیدہ غلط ہوگا وہاں لازماً عمل بھی غلط ہی ہوگا۔

اور جیسا کہ سابقہ باب میں واضح و آشکار کیا جا چکا ہے کہ صوفیہ کا عقیدہ قرآن و اسلام کے پیش کردہ عقیدہ و ایمان کے سراسر منافی ہے، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ ان لوگوں کا عمل و کردار اور ان کی روش و رفتار بھی غلط ہی ہوگی اور اسلام کے پیش کردہ نظامِ عمل کے خلاف۔ یہ لوگ اپنے مقصد کے حصول کی خاطر بعض مخصوص منازل و مقامات کے قائل ہیں، جن میں سے بعض کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

① اس مسلک میں عارف و سالک سے تمام ظاہری عبادات ساقط ہیں

اس جماعت کا نظریہ و عندیہ یہ ہے کہ " العبادة قنطرة المعرفة " یعنی ظاہری عبادات معرفت حاصل کرنے کا پُل اور ذریعہ ہیں۔ لہٰذا جب کوئی آدمی عبادت و ریاضت کرتے کرتے معرفت اور یقین کی منزل پر فائز ہو جائے تو

پھر اس سے ظاہری عبادات از قسم نماز و روزہ وغیرہ ساقط ہو جاتی ہیں۔

چنانچہ ایک صوفی شاعر کہتا ہے:

خدا را یافتم حقیقت

بیروں رفتم از قیدِ شریعت

اور یہ لوگ اپنے اس باطل نظریہ کی تائید میں قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ پیش کرتے ہیں کہ خدا فرماتا ہے: فاعبد ربك حتی یاتیك الیقین۔ یقین کے آنے تک اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ پس جب کوئی آدمی یقین کی منزل تک پہنچ جائے تو پھر اس سے عبادت ساقط ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ ظاہری شریعت کو مثل چراغ اور طریقت کو سفر کرنا اور منزل مقصود تک پہنچنے کو حقیقت جانتے ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ: "لو ظھرت الحقائق بطلت الشرائع"۔ (مثنوی رومی)

چنانچہ "فوائد فریدیہ" مترجم اردو مطبوعہ لاہور صفحہ ۲۲ پر لکھا ہے کہ:

"شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا: جس نے واصل باللہ ہونے کے بعد عبادت کا ارادہ کیا اس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا"۔

بلکہ یہ لوگ تو یہاں تک مبالغہ کرتے ہیں کہ جب عبد و معبود ایک ہیں تو معلوم نہیں ہے کہ مُکلّف کون ہے؟ ...... چنانچہ ابن عربی نے فتوحاتِ مکّیہ میں چند اشعار لکھے ہیں، جن کا ترجمہ یہ ہے کہ:

① "پروردگار بھی حق ہے اور بندہ بھی حق۔ کاش میں معلوم کر سکتا کہ مُکلّف کون ہے؟"۔

اور رسائل جلالہ میں اس کی تشریح اس طرح کی ہے کہ:

"کیونکہ خدا کے سوا کسی کا وجود ہی نہیں ہے"۔

حالانکہ اس باطل مدعا پر اس آیت شریفہ سے استدلال کرنے کی رکاکت

اور کمزوری عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے۔ کیونکہ باتفاق مُفسّرین اسلام یہاں "الیقین" سے مُراد "موت" ہے۔ جو یقیناً آنے والی ہے۔ یعنی خداوند عالم اپنے حبیب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دے رہا ہے کہ: "موت کے آنے تک برابر اپنے پروردگار کی عبادت کرتا رہ"۔ اور اگر بالفرض یہاں "الیقین" سے یقینی معرفت مُراد لی جائے تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ سیدالانبیاءؐ کو زندگی بھر یہ مرتبہ حاصل نہ ہوسکا جو اپنی زندگی کے آخری لمحاتِ حیات تک برابر خدا کی عبادت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ خدا کو فرمانا پڑا کہ: میرے حبیب! ذرا عبادت کم کردو، ساری رات نہ جاگا کرو، بلکہ کچھ آرام واستراحت بھی کیا کرو۔ (یَآ اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا) مگر اس کے باوجود حبیب کبریاؐ کی آواز بلند ہوتی ہے: "ما عبدناك حق عبادتك" میں سمجھتا ہوں کہ میں نے ابھی تک تیری عبادت کا حق ہی ادا نہیں کیا، تو کم کیسے کروں؟...... اور یہی حال حضرت امیرالمومنین وامام المتقین علی بن ابی طالب علیہ السلام کا ہے کہ نمازِ فریضہ الگ، اس کے نوافل مقررہ الگ، نماز شب و شفع ووتر الگ۔ اور اس کے علاوہ شب وروز میں ایک ہزار نماز نافلہ الگ ادا کر کے بھی بارگاہِ خداوندی میں یہی کہتے ہوئے نظر آتے ہیں: "ما عبدناك حق عبادتك" تو کیا ہم یہ سمجھیں کہ ان نام نہاد عرفاء وصوفیاء کا مقام علم ویقین سرکار سیدالمرسلینؐ اور امام المتقینؑ سے بلند تر ہے؟ (اَلْعِیَاذُ بِاللّٰه)

۲ مراقبہ

صوفیہ کے مخصوص اعمال وعبادات میں سے ایک مراقبہ بھی ہے۔ جس کا اسلامی اعمال وعبادات کے ساتھ کوئی تعلّق نہیں ہے۔ یہ صرف ان لوگوں کی ذہنی اختراع ہے۔

③ ذکر جلی وخفی کا تذکرہ

ہاں البتّہ یہ لوگ کچھ اوراد و وظائف اور کچھ ذکر جلی و خفی ضرور کرتے ہیں۔ مگر کرتے اس طرح ہیں کہ وہ عبادت کے زمرہ میں نہیں آتے، بلکہ بدعت کے زمرہ میں آتے ہیں۔ کیونکہ یہ حلقے بنا کر اور گلے پھاڑ پھاڑ کر نہ صرف عام سر تال کے ساتھ بلکہ غنا و سرود اور موسیقی کے ساتھ ذکر جلی کرتے ہیں۔ اور پھر ان کو حال پڑتے ہیں۔ حالانکہ یہ ذکر جلی نص قرآنی کے خلاف ہے۔ ارشادِ قدرت ہے:

اُدۡعُوۡا رَبَّکُمۡ تَضَرُّعًا وَّخُفۡیَۃً ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ (الاعراف:۵۵)

یعنی "تضرع وزاری اور آہستہ طریقہ پر خدا کو یاد کرو۔ کیونکہ وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا"۔

ایک اور جگہ فرماتا ہے:

وَاذۡکُرۡ رَّبَّکَ فِیۡ نَفۡسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیۡفَۃً وَّدُوۡنَ الۡجَہۡرِ مِنَ الۡقَوۡلِ بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ وَلَا تَکُنۡ مِّنَ الۡغٰفِلِیۡنَ (الاعراف:۲۰۵)

یعنی "اپنے دل میں تضرع وزاری اور آہستگی کے ساتھ اپنے پروردگار کا ذکر کر، مگر بلند آواز کے ساتھ نہیں، دن کے آغاز اور اس کے اختتام پر اور غافلوں میں سے نہ ہو"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گدھوں کی طرح بلند آواز سے ذکر خدا کرنا شرعاً غلط ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ ایک بار جناب موسیٰؑ نے بارگاہِ خداوندی میں استدعا کی کہ مجھے بتا کہ تو مجھ سے دور ہے تاکہ بلند آواز سے تیرا ذکر کروں، یا تو

میرے نزدیک ہے تاکہ آہستہ تیرا ذکر کروں؟ ارشادِ قدرت ہوا کہ جو شخص میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے قریب ہوتا ہوں۔ (عین الحیوۃ از علامہ مجلسیؒ)

باقی رہا ان لوگوں کا ذکر خفی، اگر چہ فی ذاتہ درست ہے مگر یہ لوگ اپنی غلط روش و رفتار کی وجہ سے اسے غلط بنا دیتے ہیں۔ مثلاً اس کے لیے مخصوص حلقے بناتے ہیں۔ اور مخصوص ہیئت کذائی کے ساتھ بیٹھتے ہیں، اور مخصوص مقدار میں ذکر کرتے ہیں، جبکہ نہ خدا نے اس مخصوص طریقہ کا حکم دیا ہے اور نہ حضرت رسول خدا ﷺ نے ایسا عمل کیا ہے اور نہ ائمہ اطہارؑ و صحابہ اخیار نے ایسا کیا ہے۔ اور نہ ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا اس ذکر کو بھی چار و ناچار بدعت ہی قرار دیا جائے گا۔

④ چلہ کشیاں

یہ لوگ کرامات کے حصول کی خاطر چلہ کشیاں کرتے ہیں اور جانکاہ مشقتیں جھیلتے ہیں۔ کوئی دریا میں کھڑا ہے، کوئی کنوئیں میں لٹکا ہوا ہے، کوئی ایک ٹانگ پہ کھڑا ہے، اور کوئی دونوں ہاتھ یا ایک ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑا ہے۔ نہ نماز، نہ روزہ، نہ قانون شریعت کی پابندی۔ جیسا کہ ان لوگوں کے حالات میں ملتا ہے۔ اور پھر ان تمام ریاضتوں کا مقصد اقصیٰ روحانیت و معرفت کا حصول ہے۔ ع

ہے یہ وہ لفظ جو شرمندہ معنی نہ ہوا

⑤ خانقاہوں کی تعمیر

انہی مذکورہ بالا بدعات و خرافات کی انجام دہی کے لیے مساجد و معابد کو چھوڑ کر ان کے بالمقابل خانقاہیں تعمیر کی جاتی ہیں، اور ان خانقاہوں کی زینت بظاہر یہ تارک دنیا قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور بباطن سگ دنیا ہوتے ہیں، ان

خانقاہوں میں رہنے والے وہ سب کچھ کرتے ہیں جو قبل از اسلام اور بعد از اسلام عیسائی راہبوں کی خانقاہوں میں ہوتا تھا، اور ہوتا ہے۔ ع

کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

⑥ شریعت اسلامیہ کی تقسیم

یہ لوگ شریعت اسلامیہ کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

① شریعت ② طریقت، اور ③ حقیقت۔

یعنی شریعت ظاہر ہے اور طریقت باطن، پھر طریقت باطن ہے اور حقیقت باطن کا بھی باطن۔ چنانچہ یہ لوگ طریقت پر عمل کرتے ہیں۔ یہ لوگ شریعت کو چھلکا جانتے ہیں اور طریقت کو مغز۔ چنانچہ رومی کہتا ہے:

مغز قرآں از قرآں برداشتم

استخواں پیش سگاں انداختم

حقیقت الامر یہ ہے کہ جو قوم میدانِ عمل میں قدم رکھنے سے ہچکچاتی ہو اور اس میں عمل کا فقدان ہو جائے اور تنزل اور زوال کی طرف گامزن ہو اور زمانہ حاضرہ کے علمی و عملی مسائل کے حل سے قاصر و عاجز ہو، وہ نظام خانقاہی کی آغوش میں پناہ لیتی ہے۔

بقول بعض دانشوروں کے:

"تصوف کسی قوم کے قومی و ملی انحطاط اور زوال پذیری کی علامت ہے، خدا اس سے ہماری قوم وملت کو محفوظ رکھے"۔

(تصوف کی حقیقت از پرویز)

اسی بنا پر ڈاکٹر اقبال نے قوم کو مشورہ دیا تھا:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیریؑ
کہ نظامِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

⑦ شریعت، طریقت اور حقیقت کی حقیقت کیا ہے؟

ان لوگوں کی نگاہ میں شریعت، طریقت اور حقیقت کی کیا حقیقت ہے؟ اگر ان لوگوں کی کتابوں کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ ان لوگوں کی نگاہِ کج بین میں شریعت ایک چراغ کی مانند ہے۔ جسے سالک شب تاریک میں لے کر چلتا ہے، اور طریقت وہ راستہ ہے جس پر سالک چلتا ہے اور اصل منزل مقصود تک پہنچ جانا حقیقت ہے۔

پس جب سالک واصل باللہ اور فنا فی اللہ ہو جائے، تو پھر نہ شریعت کی کوئی حقیقت باقی رہتی ہے اور نہ طریقت کی۔ اسی بنا پر رومی نے مثنوی کی جلد پنجم کے مقدمہ میں صاف صاف لکھا ہے:

اذا ظهرت الحقائق بطلت الشرائع

”جب حقائق ظاہر ہو جائیں تو پھر شریعتیں باطل ہو جاتی ہیں“۔

انا للہ و انا الیہ راجعون.....ع

فليبك على الاسلام من كان باكيًا

کیا یہی اسلام ہے؟ اور کیا یہی تعلیم اسلام ہے؟ کیا اسلام و قرآن انہی خرافات کی تعلیم و تلقین کے لیے آیا تھا؟ (العیاذ باللہ) اور نزولِ قرآن کی یہی غرض و غایت تھی؟ مالكم كيف تحكمون؟ ؎

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

ساتواں باب

تصوف کے بارے میں بعض شکوک وشبہات کے جوابات

سابقہ ابواب لکھنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان بعض شکوک وشبہات کا تذکرہ کر دیا جائے جو بعض لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں اور پھر ان کے کافی وشافی جوابات بھی پیش کر دیے جائیں، تاکہ اس موضوع کا مطلع بالکل بے غبار ہو جائے۔

پہلا شبہ: "تصوف کے تمام سلسلے حضرت علیؑ تک پہنچتے ہیں"

اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے سابقہ ابواب میں بیان کیا ہے کہ مسلک تصوف عہد بنی امیہ کی پیداوار ہے، جو اہل بیت نبوتؑ سے روحانی اقتدار چھیننے اور ادھر سے عامۃ الناس کو ہٹانے اور صوفیوں کے در پر جھکانے کے لیے ایجاد کیا گیا۔ اور پھر صوفیوں کی حکومتی سطح پر سرپرستی کی گئی ...... حالانکہ تصوف کے چار سلاسل میں سے تین سلسلوں، یعنی (۱) چشتیہ، (۲) قادریہ اور (۳) سہروردیہ کا سلسلہ حسن بصری کے توسط سے حضرت علی علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ ہاں البتہ نقشبندیہ کا سلسلہ جناب ابوبکر تک پہنچتا ہے۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ ؎

نقشبندی اگر ولی باشد — دشمنِ مرتضیٰ علیؑ باشد

بہرحال نتیجہ الکلام یہ نکلا کہ جب تصوف کے یہ سب سلسلے حضرت علی مرتضیٰؑ تک پہنچتے ہیں تو پھر تصوف کو غلط کیسے کہا جا سکتا ہے؟

جوابِ شبہ:

یہ شبہ سراسر لاعلمی اور جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ......

① بعض حضرات کی نگاہ میں تو حسن بصری کی حضرت علیؑ سے ملاقات ہی ثابت نہیں ہے۔ جیسا کہ پرویز صاحب نے اپنی کتاب تصوف کی حقیقت میں ثابت کیا ہے۔

② اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے (جیسا کہ مشہور و منصور قول ہے) کہ ان کی باہمی ملاقات تھی، تو پھر یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ان کے درمیان پیر و مُرشد یا استاد و شاگرد والے تعلقات تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے درمیان بغض و عداوت کی دیوار حائل تھی...... چنانچہ علامہ مجلسی اور دوسرے محدثین و مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک بار حسن بصری وضو کر رہا تھا کہ وہاں سے حضرت علی علیہ السلام کا گزر ہوا، آپؑ نے فرمایا: حسن! وضو صحیح طریقہ پر کر۔ اس پر حسن بصری نے چیں بجبیں ہو کر کہا کہ کل آپؑ نے ان لوگوں کو قتل کیا جو صحیح وضو کرتے تھے (ان کا اشارہ اصحاب جمل کی طرف تھا) اور آج مجھ پر اعتراض کر رہے ہیں؟ اس پر حضرت علی علیہ السلام نے کہا کہ اگر تھیں ان لوگوں سے اتنی ہمدردی تھی تو ان کی مدد کیوں نہ کی؟ اس کے جواب میں حسن بصری نے کہا کہ خدا کی قسم میں بالکل تیار ہو کر اور تلوار بکف ہو کر ان کی ہمدردی میں آپ کے خلاف جنگ کرنے کے ارادہ سے گھر سے نکلا۔ مگر راستہ میں ایک ہاتف غیبی کی آواز آئی کہ: "القاتل و المقتول کلاھما فی النار"۔ "کہ اس جنگ میں جو قاتل ہوں گے وہ بھی اور جو مقتول ہوں گے وہ بھی سب جہنم میں جائیں گے"۔ یہ آواز سُن کر میں واپس آ گیا۔ یہ سُن کر حضرتؑ بولے: اے حسن! کیا تھیں معلوم ہے کہ وہ ہاتف (منادی) کون تھا؟ کہا: نہیں۔ فرمایا: وہ تیرا بھائی شیطان تھا۔ (آن برادرت شیطان بود) اور اس

بات میں اس نے سچ کہا ہے...... "میرے خلاف جنگ لڑنے والوں کے قاتل و مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے"۔
(حیوۃ الحیوان از علامہ مجلسیؒ، کتاب تنبیہاتِ جلیہ از فاضل محمود تبریزی نجفی)

لہٰذا اس شہرت کی کوئی حقیقت نہیں ہے کہ تصوف کے تمام سلاسل حسن بصری تک پہنچتے ہیں اور وہ حضرت علی علیہ السلام تک پہنچاتے ہیں۔ یا یہ کہ حضرت علیؑ نے خرقہ ولایت حسن بصری کو دیا تھا، اور پھر انھوں نے سینہ بہ سینہ یہ خرقہ آگے مُنتقل کیا۔ سچ ہے کہ "رُبَّ شھرۃ لا اثر لھا"۔ یعنی بہت باتیں مشہُور تو ہوتی ہیں لیکن عندا لتحقیق ان کی کوئی اصلیّت وواقعیّت نہیں ہوتی۔ یہ بات بھی انہی باتوں میں سے ایک ہے۔

دوسرا شبہ: "اکابر صوفیہ نے حضرت علیؑ کی مدح وثنا کی ہے"۔

آپ نے ثابت کیا ہے کہ مذہب تصوف امراء بنی امیہ کی پیداوار ہے اور آپ نے ائمہ اہل بیتؑ کی بعض حدیثوں کے حوالے بھی دیے ہیں کہ سب صوفی ہمارے دشمن ہیں اوران کا طریقہ ہمارے طریقہ کے منافی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ تقریباً سب بڑے بڑے صوفیا نے حضرت علیؑ کی مدح وثنا کی ہے۔ اوران کی مدح میں قصیدے لکھے ہیں۔

جوابِ شبہ:

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ہم نے جو دعویٰ کیا تھا اسے بفضلہٖ تعالیٰ تاریخی شواہد ودلائل سے ثابت کر کے دکھا دیا ہے۔ اور سابقہ اوراق میں واضح کر دیا ہے کہ اس فرقہ کے عقائد ونظریات ہوں یا ان کے اعمال واذکار، وہ سب کے سب اسلامی تعلیمات اور ائمہ معصومینؑ کے ارشادات کے خلاف ہیں۔

باقی رہا اکابر صوفیہ کا مدحِ شاہِ ولایت کرنا، تو اس میں کوئی شک نہیں ہے

کہ انھوں نے حضرت علیؑ کی مدح کی ہے ۔ مگر یہ بھی یاد رکھیں کہ انھوں نے دشمنانِ علی کی بھی ستائش کی ہے ۔ اصل بات یہ ہے کہ شاعر تو قرآنی فرمان کے مطابق "فی کل واد یھیمون" (القرآن) ہر میدان میں چکّر لگاتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ دانشمندوں کا قول ہے کہ کسی شاعر کے مذہب و مسلک کا اس کے اشعار پڑھ کر پتا نہیں چلتا ...... کیونکہ وہ ہر وادی میں چکّر لگاتے ہیں ۔ اور پھر "یقولون ما لا یفعلون" کہتے وہ ہیں جو کرتے نہیں ہیں ۔ (سورہ شعراء)

یہی وجہ ہے کہ تاریخ بتاتی ہے کہ معاویہ بن ابوسفیان، عمرو بن العاص اور یزید بن معاویہ نے بھی حضرت علیؑ کی مدح میں اشعار کہے ہیں ۔ چنانچہ تاریخ اسلام از سید ہاشم میں یہ واقعہ درج ہے کہ ایک بار یہ تینوں اکٹھے بیٹھے تھے کہ کسی شخص نے ایک تحفہ پیش کیا ۔ بے تکلّف بزم تھی، بحث چل نکلی کہ یہ تحفہ کون وصول کرے؟ طے ہوا کہ تینوں شعر کہتے ہیں، جس کا شعر سب سے اچھا ہوگا، یہ تحفہ وہی وصول کرے گا ۔ پھر اختلاف ہوا کہ کس موضوع پر طبع آزمائی کی جائے؟ تھوڑی بحث کے بعد طے پایا کہ حضرت علیؑ کے بارے میں اظہارِ خیال کیا جائے ۔ (کیونکہ ان کو ان سے بہتر کوئی ممدوح نظر نہیں آیا تھا) چنانچہ سب سے پہلے معاویہ نے جناب کی بارگاہ میں اس طرح خراجِ عقیدت پیش کیا:

خیر البریہ بعد احمد حیدر
الناس ارض و الوصی سماء

اس کے بعد یزید بولا:

و ملیحة شھدت لھا ضرائھا
و الحسن ما شھدت بہ الضرّاء

آخر میں عمرو بن العاص نے اپنی عقیدت کا گلدستہ اس طرح پیش کیا:

و فضیلة شهد العدو بفضلها
و الفضل ما شهدت به الاعداء

لہٰذا عمرو بن العاص بازی لے گیا اور تحفہ اسی نے وصول کیا۔
اب ناظرین کرام بتائیں کہ ان حقائق کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے
معاویہ وغیرہ محبانِ علی تھے؟ ان حقائق کی روشنی میں یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ
اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علیؑ کا کوئی ہمسر اور ثانی نہیں ہے اور نہ ان جیسا
ممدوح ہے۔ مگر ان لوگوں کو تو مُحبِّ علی نہیں کہا جا سکتا۔ ؏

این همه راز است که معلوم عوام است

تیسرا شبہ: "بعض شیعیانِ علی بھی تصوف کی طرف میلان رکھتے ہیں۔"

ہم اسلام کی چودہ صد سالہ تاریخ میں کئی شیعیانِ علی علیہ السلام کو دیکھتے
ہیں کہ وہ تصوف کی طرف میلان اور جھکاؤ رکھتے ہیں۔ تو پھر کیسے یہ باور کیا جا
ہے کہ یہ دشمنانِ آل محمدؐ کا مسلک ہے؟

جوابِ شبہ:

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ بعض شیعیانِ علی کا جھ
صوفیت اور صوفیہ کی طرف رہا ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کا دام ہمرنگ زمین ہی ایسا
کہ بعض محبانِ اہل بیتؑ بھی اس دام میں گرفتار ہو گئے...... اور یہ بات عجائبات
روزگار میں سے ہے کہ جس مسلک کا سنگ بنیاد ہی عداوتِ اہل بیتؑ پر رکھا گیا
ہے، کوئی مُحبِّ اہل بیتؑ کہلانے والا اسی مسلک کا ہمدرد و ہم نوا نظر آئے۔ ؏

بسوخت عقل ز حیرت که این چه بوالعجبی است

مگر یہ بات ممکن ہے، ناممکن نہیں ہے۔ اور اس کا سبب جہالت و لا علمی
کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ سچ ہے: ؎

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے راہ و رسم شاہبازی

یہی وجہ ہے کہ جب ایسے بعض لوگوں کو حقیقتِ حال کا علم ہوا تو اس مسلک سے تائب ہو گئے ۔ اور معذرت میں رسالہ لکھ دیا۔ جیسا کہ حضرت ملا مُحسن فیض کے حالات میں حضرت علامہ شیخ یوسف بحرانی نے لؤلؤا لبحرین میں لکھا ہے اور ان کے رسالہ انصاف کا تذکرہ کیا ہے ۔فراجع

یہی وجہ ہے کہ جن دانشوروں نے تصوف پر کام کیا ہے ان کے ہاں شیعہ صوفی ہوتے ہی نہیں ۔

(تصوف کی حقیقت از پرویز صفحہ ۵۸ طبع لاہور)

چوتھا شبہ: " حضرات صوفیہ صاحب کشف وکرامات ہوتے ہیں" ۔

کہا جاتا ہے کہ اگر مسلک صوفیت غلط ہے تو پھر ان کشف وکرامات اور خارق عادت امور کا کس طرح ظہور ہوتا ہے جیسا کہ ان حضرات کی اپنی لکھی ہوئی یا ان کے حالات میں مُریدانِ باصفا کی لکھی ہوئی کتابوں سے ایسے سینکڑوں واقعات کا پتا چلتا ہے ۔

جوابِ شبہ:

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ مشاہدہ شاہد ہے کہ " پیراں نمی پرند مریداں می پرانند " یعنی پیر نہیں اڑتے بلکہ مرید اڑاتے ہیں ۔لہٰذا ان نام نہاد کرامات میں اکثر کی تو کوئی حقیقت ہی نہیں ہے ۔ بلکہ مریدوں اور عقیدتمندوں کی گھڑی ہوئی ہیں ۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں بزرگ دیوار پر بیٹھے تھے اور کہیں جانا تھا، مگر سواری موجود نہ تھی تو دیوار کو حکم دیا اور وہ گھوڑے کی طرح دوڑنے لگی ۔ یا فلاں بزرگ نے شیر کو کان سے پکڑا اور اس پر سوار ہو گئے اور وہ گدھے کی طرح

سر جھکا کر ان کو اٹھا کر منزل کی طرف روانہ ہوا۔ یا فلاں بزرگ گھوڑے پر سوار تھے اور گھوڑا ٹھیک طرح چل نہیں رہا تھا، تو انھیں چابک کی ضرورت پڑی تو ایک سانپ کو اٹھا کر چابک بنا لیا۔ وغیرہ وغیرہ

اور اگر ان سینکڑوں داستانوں میں سے کوئی حقیقت پر مبنی بھی تسلیم کر لی جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان چلہ کشیوں کا اثر وضعی ہوتا ہے جو یہ لوگ جان کو جوکھوں میں ڈال کر کرتے ہیں۔ قدرت کا وعدہ ہے کچھ لوگ آخرت کے طلب گار ہوتے ہیں اور کچھ دنیا کے طلب گار۔ تو جو لوگ آخرت سدھارنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے کدوکاوش کرتے ہیں تو ہم ان کی آخرت سدھار دیتے ہیں اور جو دنیا سنوارنا چاہتے ہیں ہم ان کی دنیا سنوار دیتے ہیں۔ الغرض خدا کا وعدہ ہے کہ "انی لا اضیع عمل عامل منکم"۔ میں کسی کے عمل کو ضائع و اکارت نہیں کرتا۔ تو چونکہ یہ لوگ دنیا کی خاطر یہ جانکاہ مشقتیں اٹھاتے ہیں تو خدا ان کو بعض تاثیرات سے نواز دیتا ہے۔ اور یہ یاد رہے کہ اس بات کا دارومدار اسلام و ایمان پر نہیں ہے، بلکہ جس عقیدہ و عمل کا حامل یہ کام کرے اس کا وہ اثر ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔ خواہ عیسائی ہو یا ہندو یا مُسلمان۔ ع

آزمائے جس کا جی چاہے

کتاب "التنبیھات الجلیه فی کشف اسرار الباطنیه"

مطبوعہ عراق کے مولف دعویٰ کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک یہودی کو پکڑ کر لاؤ۔ میں اسے فلاں فلاں عمل بتاؤں گا، اور اگر وہ اس عمل کے نتیجہ میں وہی کرامات نہ دکھائے جو یہ نام نہاد اولیاء دکھاتے ہیں تو میرا گریبان پکڑنا۔

الغرض حق وصدق کا معیار اللہ کا قرآن ہے اور پیغمبر اسلامؐ کا اسوہ حسنہ اور یہ چیزیں اور یہ سفلی اعمال اور چلہ کشیاں نہ قرآن میں ملتی ہیں اور نہ سیرتِ رسولؐ میں

ان کا کوئی نام ونشان ملتا ہے۔ لہٰذا اسے باطل سمجھ کر نظر انداز ہی کرنا پڑے گا۔

کاش کہ یہ مزعومہ اولیاء کوئی علمی یا عملی کارنامہ سرانجام دیتے۔ قرآنی حقائق دنیا کے سامنے پیش کرتے، معارف اسلام کو دلیل و برہان کے ساتھ پیش کرتے اور اسلامی علوم وفنون میں نئے نئے علوم وفنون کا اضافہ کر کے لوگوں کو ان سے متعارف کراتے۔ یہاں تو لے دے کے بس محیر العقول کرامات کے دفتر کھلے ہیں۔ بس جس کی طرف زیادہ کرامات منسوب کی جائیں وہ بڑا ولی تسلیم کیا جاتا ہے اور اس کا مزار مرکز شرک اور سجدہ گاہ خلائق قرار پاتا ہے۔ اور جس کی کرامات کی شہرت نہ ہو اس کی قبر درگاہ نہیں بنتی اور وہ گوشہ گمنامی میں گم ہو جاتا ہے۔ کما لا یخفی۔

الغرض ان مزعومہ کرامات کا روحانیت اور ولایت سے کوئی تعلّق نہیں ہے۔ یہ سب کچھ چلہ کشیوں، مراقبوں اور سفلی عملیات کا نتیجہ ہے، یا پھر ہپناٹزم اور مُسمریزم کی کرشمہ سازی اور فریب نگاہ ہے۔ جہاں تک روحانیت کا تعلّق ہے تو: ع

"ہے یہ وہ لفظ جو شرمندۂ معنی نہ ہوا"

پانچواں شبہ: " صوفیا امن کے داعی ہیں۔ اور انھوں نے برصغیر میں اسلام پھیلایا ہے"۔

جوابِ شبہ: اس شبہ کا جواب مہر نیمروز سے بھی زیادہ روشن ہے کہ اگر صوفیہ کا مشن امن و آشتی ہے اور رواداری ہے تو کیا اسلام تشدد اور جنگ وجدال اور قتل و قتال کا دین ہے؟ اسلام کے نام سے ہی واضح ہے کہ یہ امن و آشتی اور محبّت و اخوت، صبر و تحمل اور رواداری و برداشت کا دین ہے اور صلح کل کا علمبردار ہے۔ تمام اسلامی تعلیمات و تلقینات کا لب لباب اور خلاصہ یہ ہے کہ "خود جیو اور دوسروں کو جینے دو"۔ جیسا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کا قول و فعل اس بات کا شاہد عادل ہے۔ وہ کفار

سے فرماتے ہیں: "لکم دینکم ولی دین" تمہارا دین (کفر) تمہارے لیے اور میرا دین (اسلام) میرے لیے۔ یعنی دین کے نام پر لڑنے مرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ کیونکہ: ع

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

اگر لڑنا ہے تو زن، زر اور زمین یا چودھراہٹ کے لیے لڑو۔ دین کے نام پر مت لڑو۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں اسّی کے لگ بھگ جنگیں لڑی گئی ہیں۔ مگر یہ حقیقت عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے کہ ان جنگوں میں سے کوئی ایک جنگ بھی پیغمبر اسلامؐ نے نہیں چھیڑی۔ بلکہ ہر جنگ کا آغاز کفار و مشرکین نے کیا ہے اور دفاع کا حق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استعمال کیا ہے، جو کہ شرعاً، اخلاقاً اور قانوناً جائز ہے۔

دین اسلام کو جو کہ دین فطرت ہے (فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا) اور امن و آشتی کا دین ہے۔ اس کو اگر بدنام کیا ہے تو دین کے نام پر اپنی سیاست چمکانے اور منفعت کمانے والے مُتشدّد دین نے جو دین کے نام پر اپنے مخالفین پر تشدد کرتے ہیں اور اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔ یا علماء سو اور روح اسلام سے ناآشنا ملاؤں نے جن کے بارے میں اقبال نے بالکل صحیح کہا تھا کہ ؎

دینِ مومن فکر و تدبیرِ جہاد
دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد

اور یہ اسلامی جہاد بھی کسی جارح کی جارحیت کے دفاع کا دوسرا نام ہے۔

چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُ ﴿۳۹﴾ (حج:۳۹)

انہی حقائق کی روشنی میں بانئ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کو پڑھیں، فرمایا:

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده"
"مُسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے سب انسان محفوظ ہوں"۔

بات دراصل یہ ہے کہ ملاؤں نے اپنے مفادات اور غلط تعلیمات کے نتیجہ میں سختی کا راستہ مُنتخب کرلیا۔ یعنی مُسلمانوں کو کافر بنانے، منے ہوئے بھائیوں کولڑانے اور لوگوں کے نکاح تڑوانے کا راستہ...... جس سے نفرتوں نے جنم لیا اور اسلام بدنام ہوا...... اور صوفیوں نے اسلام کا صلح عام کا پیغام عام کیا اور اسے لے لیا۔ جیسا کہ حافظ شیرازی کہتے ہیں:

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلماں اللہ اللہ با برھمن رام رام

حقیقت یہ ہے کہ صوفیا کا یہی وہ واحد کام ہے جو روح اسلام کے مطابق انھوں نے انجام دیا ہے۔ اور اسے اسلام سے ہی لیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اسلام پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے جو بھی احکام اسلامی پر عمل درآمد کرے گا وہ اس کے خوشگوار نتائج وثمرات سے فائدہ اٹھائے گا۔

خلاصۃ الکلام یہ کہ ملاؤں نے سختیاں کر کر کے لوگوں کو اسلام سے متنفّر کیا ہے اور صوفیوں نے عام لوگوں سے نرم روی اور محبّت کا برتاؤ کرکے لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کیا ہے۔ مگر ان کا اپنا اسلام محل نظر ہے۔ حدیث نبویؐ ہے کہ:

ان اللہ یؤ ید ھذا الدین بالذین لا خلاق لھم (الحدیث)

"کہ خداوند عالم اس دین اسلام کی تائید ان لوگوں کے ذریعہ سے بھی کردیتا ہے جن کا اپنا اسلام میں کوئی حصّہ نہیں ہوتا"۔

(کنز العمال وغیرہ)

نیز آج سے قریباً ایک ہزار سال پہلے جب ہمایوں نے ہندوستان کا رخ

کیا تو صوفی حضرات اس سے پہلے یہاں پہنچ چکے تھے اور چونکہ ان کے نظریات ہندوؤں کے افکار سے کافی مشابہ تھے جس کی وجہ سے ہندو اور مُسلمان ایک دوسرے کے نزدیک ہو گئے اور تصوف کو یہاں پھلنے پھولنے کا موقع مل گیا۔

اسلام کا طریقہ تبلیغ

ارباب دانش و بینش جانتے ہیں کہ اسلام کا طریقہ دعوت یہ ہے کہ لوگوں کو حکمت و دانائی اور موعظہ حسنہ کے ساتھ اسلام کی دعوت دی جائے، جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۔ (سورة النحل: ۱۲۵)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَ لَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ

"اہل کتاب (یہود و نصاریٰ وغیرہ) سے بھی گفتگو کرو تو شائستہ انداز میں کرو"۔ (سورة العنکبوت: ۴۶)

نیز ارشادِ قدرت ہے:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (سورة البقرة: ۸۳)

"عام لوگوں سے اچھی باتیں کیا کرو"۔

الغرض ان کے دردوں کا مداوا کرو، انھیں تیر و سنان اور زبان کے زخم نہ لگاؤ...... کیونکہ: ؎

جراحات السنان لها التیام
و لا یلتام ما جرح اللسان

دعا ہے کہ خداوندعالم مولوی صاحبان کو اسلامی و قرآنی ارشادات و تعلیمات کے مطابق اسلام کی صحیح خدمت کرنے یعنی اسلام پھیلانے اور اسلام کو بچانے اور کفر کو مٹانے کی توفیق مرحمت فرمائے ۔ یعنی وہ حکمت وموعظۂ حسنہ سے کافروں کو مُسلمان بنائیں ۔ مُسلمانوں کو کافر نہ بنائیں ۔ تبلیغ حق سے بے ایمانوں کو مومن بنائیں ، مومنوں کو بے ایمان نہ بنائیں ۔ بنص قرآن سب مُسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں ۔ لہٰذا وہ قلبی سوز وساز سے لڑنے والے بھائیوں کے درمیان صلح وصفائی کرائیں ۔ منے ہوئے بھائیوں کو آپس میں نہ لڑائیں ۔

الغرض ارشادِ قدرت "وَانْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُم ...... الآیۃ" کے مطابق جن کے نکاح نہیں ہوئے ان کے نکاح کرائیں اور انھیں زنا جیسے گھناؤنے گناہ سے بچائیں ، الٹا لوگوں کے نکاح نہ تڑوائیں ، محبّت واخوت کا پیغام عام کریں اور نفرتیں نہ بڑھائیں ، تاکہ صحیح معنوں میں مبلغ اسلام کہلائیں ۔ "وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْز" قلبی دکھ درد کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ : ع

ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے نوعِ انساں کو

لہٰذا حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں ضروری ہے کہ ع

محبّت کی زباں بن جا اخوت کا بیاں ہوجا

ارشادِ رب العزت ہے :

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللہ لمع المحسنین

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ جو گوہر نہ بنا تھا

آٹھواں باب

صوفیہ کے بعض کشوف وکرامات یا بالفاظ مناسب شطحیات کا تذکرہ

عصمت مآب ذواتِ مُقدّسہ کو چھوڑ کر باقی ہر انسان خواہ خاص ہو یا عام، عالم ہو یا جاہل، نیکوکار ہو یا بدکار۔ فطرۃ اعجوبہ پسند واقع ہوا ہے۔ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص عجیب وغریب کرامات دکھا رہا ہے تو وہ اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ شخص ننگ دھڑنگ اور مجذوب قسم کا ہی کیوں نہ ہو۔ اور شعبدہ بازہی کیوں نہ ہو...... بہرکیف اس کی شُعبدہ بازی کا نام (عوام کالانعام کی نگاہ میں) کرامت ہی رکھا جائے گا۔ اور اس شخص کو پہنچا ہوا ولی تصور کیا جائے گا...... حقیقت الامر یہ ہے کہ تصوف کا سارا دارومدار انسان کی اسی اعجوبہ پسندی پر ہے۔ آپ اولین سے لے کر آخرین تک صوفیہ کے حالات پڑھیں یا ان کے عقیدتمندوں سے سنیں، سارے جہان کی فوق الفطرت اور محیر العُقُول بات ان کی طرف ہی منسوب کی جائے گی اور ان کو سب سے بڑا ولی اللہ سمجھا جائے گا۔ اگرچہ وہ کرامات خلاف عقل ونقل ہوں......اور ناممکن الوقوع ہوں۔ مگر عقیدت اندھی ہوتی ہے۔

آئیے! آپ کو بعض صوفیا اور اولیا کی بطور نمونہ مُشتے از خروارے بعض کرامات سنائیں۔ سنیے اور سرد ھنیے۔ ہم طبیعت پر جبر کرکے، جگر کو تھام کر اور استغفار پڑھ کے یہ خرافات اپنی کتاب میں نقل کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ ہمیں ناظرین کرام معذور تصور کریں گے۔

① حضرت جنید بغدادیؒ کی کرامت

☆ " حضرت جنید بغدادی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک کتا سامنے سے گزرا۔ آپ کی نگاہ اس پر پڑ گئی۔ وہ اس قدر صاحب کمال ہو گیا کہ سب کتے اس کے پیچھے دوڑے، وہ ایک طرف بیٹھ گیا، سب کتوں نے اس کے گرد بیٹھ کر مراقبہ کیا"۔

(امداد المشتاق ملفوظات حاجی امداد اللہ، از مولانا اشرف علی تھانوی)

② شیخ عبدالقادر گیلانی کی کرامت

☆ "فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک لکھا ہوا دفتر دیا۔ جس میں قیامت تک آنے والے میرے احباب اور مُریدوں کے نام درج تھے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: میں نے داروغۂ جہنم سے جس کا نام مالک ہے، دریافت کیا کہ کیا میرے مُریدوں میں سے تمھارے پاس کوئی ہے؟...... جواب دیا عزتِ پروردگار کی قسم کوئی بھی نہیں.......... اگر میرا مرید اچھا نہیں تو کیا ہوا، میں تو اچھا ہوں...... جلالِ پروردگار کی قسم! جب تک میرے تمام مرید بہشت میں نہیں چلے جائیں گے، میں بارگاہِ خداوندی میں نہیں جاؤں گا"۔

(اخبار الاخیار محدث عبدالحق دہلوی کا اردو ترجمہ
از مولانا سبحان محمود صاحب استاد الحدیث دار العلوم کراچی)

③ مولانا رومی کی کرامت

☆ ''ایک دن کرا خاتون زوجہ مولانا رومی کے دل میں خیال آیا کہ مولانا ایک عرصہ سے میری جانب ملتفت نہیں ہیں، خدا معلوم شہوانی جذبات باقی ہیں یا بالکل فنا ہو گئے ہیں؟ (مولانا کو بذریعہ کشف ان کا یہ خیال معلوم ہو گیا) رات کو مولانا ان کے پاس گئے۔ جذبات شہوانی کا یہ عالم تھا کہ کرا خاتون پریشان ہو کر استغفار پڑھنے لگیں۔ مولانا نے ستر بار جماع کیا۔ پھر فرمایا: مردانِ خدا ہر شئے پر قادر ہیں، ترک یا قلت مباشرت کا باعث استغراق ہے''۔

(مناقب العارفین از شمس الدین اخلاقی)

④ احمد کبیر بدوی کی کرامت

مولانا احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

☆ حضرت سیدی عبدالوہاب اکابر اولیاء کرام میں سے ہیں، حضرت سیدی احمد کبیر بدوی کے مزار پر بڑا میلہ اور ہجوم ہوتا تھا، اس مجمع میں آتے تھے۔ ایک تاجر کی کنیز پر نگاہ پڑی، فوراً نگاہ پھیر لی کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے ''النظرۃ الاولی لک والثانیۃ علیک'' پہلی نظر تیرے لیے ہے اور دوسری نظر تجھ پر ہے۔ یعنی پہلی کا گناہ نہیں ہے اور دوسری نظر کا مواخذہ ہوگا۔ خیر نگاہ تو پھیر لی۔ مگر وہ آپ کو پسند آگئی۔ جب وہ مزار شریف پر حاضر ہوئے تو ارشاد

فرمایا: عبدالوہاب! وہ کنیز پسند ہے؟ عرض کی: ہاں! اپنے شیخ سے کوئی چیز چھپانی نہیں چاہیے۔ ارشاد فرمایا: اچھا! ہم نے تم کو وہ کنیز ہبہ کی۔ اب آپ سکوت میں ہیں کہ کنیز تو اس تاجر کی ہے اور حضور ہبہ فرماتے ہیں؟ معاً وہ تاجر حاضر ہوا۔ اور اس نے وہ کنیز مزار اقدس کی نذر کی۔ خادم کو اشارہ ہوا۔ انھوں نے آپ کی نذر کر دی۔ ارشاد فرمایا: عبدالوہاب! اب دیر کاہے کی؟ فلاں حجرہ میں لے جاؤ، اور اپنی حاجت پوری کرو"۔

(ملفوظات حصہ سوم صفحہ ۲۸ از مولانا احمد رضا خاں بریلوی)

اس طرح یہ نام نہاد پیر اپنے مریدوں کی حاجتیں پوری کرتے ہیں......

توبہ توبہ استغفار......

⑤ خواجہ عثمان ہارونی کی کرامت

موصوف کے ملفوظات جناب خواجہ معین الدین اجمیری نے انیس الارواح کے نام سے قلمبند کیے ہیں، جن کا ترجمہ مسلم پریس دلی میں شائع ہوا تھا۔ اس میں رقمطراز ہیں:

☆ "میرے ہمسایہ میں میرا ایک پیر بھائی تھا، جب اس کا انتقال ہوا تو لوگ تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر دفن کر کے واپس چلے آئے، تو میں اس کی قبر پر بیٹھا رہا، عالم مشغولی میں کیا دیکھتا ہوں کہ دو فرشتے عذاب کے اس کے پاس آئے اور چاہتے تھے کہ عذاب کریں، اتنے میں حضرت پیر و مرشد تشریف لائے، اور ان دونوں فرشتوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اسے عذاب مت کرو۔

یہ میرا مرید ہے ۔ وہ حسب الارشاد واپس چلے گئے ۔ تھوڑی دیر میں واپس آئے اور عرض کی کہ باری تعالیٰ کا فرمان یہ ہے، اگرچہ یہ شخص آپ کا مرید تھا لیکن آپ کے طریقہ سے برگشتہ تھا ۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حال ایسا ہی ہے ۔ مگر اس نے اپنی ذات کو میرے پلے میں باندھا، اس کی حمایت میرے ذمہ ضروری ہے ۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ان فرشتوں کو حکم ہوا واپس چلے آؤ ۔ اس شخص کو عذاب نہ کرو ۔ ہم نے اسے حضرت کی خاطر عزیز ہونے کے سبب بخش دیا ہے" ۔

(انیس الارواح)

⑥ خواجہ معین الدین اجمیری کی کرامت

موصوف کے ملفوظات ان کے خلیفہ خواجہ قطب عالم نے مرتب کیے ہیں ۔ جس کا نام دلیل العارفین ہے ۔ اس میں وہ لکھتے ہیں :

☆ "ایک مجلس میں خواجہ صاحب نے ارشاد فرمایا: بروز قیامت انبیاء، اولیاء سب قبروں سے اٹھائے جائیں گے، ان کے کندھوں پر کمبل پڑے ہوں گے ۔ ہر ایک کمبل میں کم وبیش ایک لاکھ تانے کے تاگے اور ایک لاکھ بانے کے ہوں گے ۔ ان کے مریدان تاگوں کو پکڑیں گے ۔ اور اس وقت تک پکڑے رہیں گے جب تک خلق ہنگامہ محشر سے فارغ نہ ہو ۔ پھر حق تعالیٰ انھیں پُل صراط پر پہنچائے گا ۔ اور وہ مع اپنے پیرووٴں کے اس بتیس ہزار سال کے راستوں کو ایک دم زدن میں بہ برکت پکڑے رہنے اس گلیم کے طے کریں گے

گے اور دروازہ بہشت پر پہنچ کر دار النعیم میں داخل ہوں گے"۔
(دلیل العارفین)

اللہ اللہ! جنت کس قدر سستی ہے؟
مزید برآں لکھتے ہیں:

☆ "ایک مجلس میں الحمد شریف کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: میں اور خواجہ عثمان ہارونی سفر میں تھے، دجلہ کے کنارے پہنچے، دریا طغیانی پر تھا، میں فکر میں ہوا کہ کس طرح اتریں اور جلد عبور کرنے کی ضرورت تھی۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ آنکھیں بند کرو۔ میں نے آنکھیں بند کیں، تھوڑی دیر میں کھولیں اور خود اور حضرت خواجہ کو پار پایا۔ میں نے دریافت کیا کہ کس طرح عبور فرمایا؟ ارشاد ہوا کہ الحمد شریف کو پانچ مرتبہ پڑھ کر پانی پر قدم رکھا اور پار اتر گئے۔ (ایضاً)

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے بیان کے مطابق

ایک بزرگ کی کرامت

آپ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

☆ "بدخشاں میں ایک بزرگ تھے، انھوں نے حاکم وقت کو حکم دیا کہ ایک خانقاہ تیار کرو۔ اس نے خانقاہ تیار کرائی تو آپ نے حکم دیا کہ ہر روز بازار سے ایک کتا خرید کر لائیں۔ حسب الحکم ہر روز کتے خرید کر لاتے، آپ ان کا ہاتھ پکڑ کر سجادہ پر بٹھاتے

اور فرماتے: خدا کے سپرد کیا۔ آخر الامر وہ کتے ایسے ہو گئے کہ ہر ایک ان میں کا پانی پر چلتا تھا اور جس کسی کو وہ نقش دے دیتا تھا وہ اچھا ہو جاتا"۔

(فوائد السالکین ملفوظات خواجہ قطب الدین بختیار کاکی مرتبہ خواجہ فرید الدین گنج شکر)

⑧ خواجہ مودود چشتی کی کرامت

(خواجہ بختیار کاکی نے) ایک مرتبہ فرمایا:

☆ "حضرت خواجہ مودود چشتیؒ کو جب اشتیاق خانہ کعبہ کا غالب آتا تو اسے فرشتے سرزمین چشت میں لے آتے کہ خواجہ صاحب کی زیارت سے مشرف ہوں"۔ (ایضاً)

⑨ خواجہ فرید الدین گنج شکر کی کرامت

ان کے ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء نے مرتب کیے ہیں۔ مجموعہ کا نام "راحت القلوب" ہے۔ وہ اس میں لکھتے ہیں:

☆ "ایک جوگی حضرت (بابا فرید) کی خدمت میں آیا، آپ نے اس سے کہا کوئی کرامت دکھاؤ۔ یہ سُن کر وہ ہوا میں اڑنے لگا۔ آپ نے اپنی جوتیاں ہوا میں چھوڑ دیں۔ وہ اس جوگی کے سر سے اونچی ہو گئیں۔ چنانچہ جوگی مُعترف ہوا کہ جس شخص کی جوتیوں کا یہ مرتبہ ہے وہ خود کس مرتبے کا ہو گا"۔

(راحت القلوب)

⑩ ایک بزرگ کی کرامت

بزبان خواجہ نظام الدین اولیاء، بروایت خواجہ گیسودراز

☆ " حضرت گیسودراز فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ ایک بزرگ نے یہ وصیّت کی کہ جب وہ فوت ہوجائے تو سات دن تک اس کی میت کے قریب ہنگامہ سماع برپا کیا جائے اور بعد ازاں اسے دفن کیا جائے۔ جب وہ بزرگ فوت ہوا تو حسب وصیّت اس کی میت کے پاس محفل سماع منعقد ہوئی۔ حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ساتویں روز وہ اٹھ کر رقص کرنے لگا۔ اور بالآخر چارپائی پر گر گیا"۔

(ماہنامہ المعارف بابت جون ۱۹۷۵ء لاہور)

⑪ حضرت نولکھ ہزاری کی کرامت

☆ حضرت نولکھ ہزاری جو پنجاب کے مشہور ولی گزرے ہیں، ان کے بارے میں مشہور ہے کہ انھوں نے سوسال سے اوپر عمر پائی اور انھوں نے زندگی میں نولاکھ اور ایک ہزار بار قرآن مجید ختم کیا ہے......

یہ مت سوچیئے گا کہ نولاکھ اور ایک ہزار مرتبہ قرآن مجید ختم کرنے کے لیے کتنا عرصہ درکار ہے؟

⑫ صوفیوں کے مُردہ کو زندہ کرنے کی کرامت

یہی خواجہ بندہ نواز گیسودراز اپنے محولہ بالا مضمون کے مطابق راوی ہیں کہ:

☆ "ایک بار ایک شخص نے بادشاہِ وقت کو صوفیوں سے بدظن کر دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ صوفیوں کو شہر سے نکال دیا جائے۔ انھوں نے بادشاہ سے تین دن کی مہلت مانگی، تاکہ وہ اپنے جاننے پہچاننے والوں سے الوداع کر لیں۔ اور درخواست کی کہ انھیں آخری بار مجلس سماع مُنعقد کرنے کی اجازت دی جائے جو مل گئی۔ چنانچہ بادشاہ نے اپنے محل کے سامنے ایک سائبان نصب کر کے اس میں سماع کی اجازت دی۔ اور خود ایک جھروکے میں بیٹھ کر تماشا دیکھنے کے لیے بیٹھ گیا۔ اتفاقاً اس کا ایک خوردسال بیٹا بھی کھڑا تھا۔ جو وہاں سے نیچے گرا اور اس کے اعضاء بکھر گئے اور مر گیا۔ بادشاہ نے اسے صوفیوں کی نحوست سمجھ کر ان کو سزا دینے کا ارادہ کیا۔ جب صوفیوں کو اس سانحہ کا علم ہوا تو انھوں نے بادشاہ کو پیغام بھیجا کہ بچے کی میت یہاں بھیج دے۔ جب ہمارا سماع ختم ہوگا تو ہم آپ کا بچہ زندہ وسلامت آپ کے حوالے کر دیں گے۔ چنانچہ بادشاہ نے بچہ کے اعضا ایک دری میں لپیٹ کر وہاں بھیج دیے۔ ادھر وہ لوگ مجلس سماع میں مشغول ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد دری میں حرکت پیدا ہوئی۔ صوفیوں نے حاضرین سے کہا کہ اسے کھولیں۔ جب اسے کھولا گیا تو بچہ صحیح وسلامت اٹھ کر بھاگ اٹھا۔ یہ ماجرا دیکھ کر بادشاہ صوفیوں کا

مُعتقد ہو گیا۔ اور معافی مانگی اور بے حد تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔

(ماہنامہ المعارف بابت جون ۱۹۷۵ء ادارہ ثقافت اسلامیہ بحوالہ تصوف کی حقیقت از پرویز صاحب)

⑬ علامہ شعرانی اپنی طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں کہ:

☆ "ان کے دوستوں میں سے ایک صاحب عصفیر نامی تھے، ان کی بابت لکھتے ہیں کہ وہ بچپن سے ہی صاحب کرامت تھے۔ یہ ایک باغ میں رہتے تھے۔ شہر کو بھیڑیے یا بجو پر سوار ہو کر آتے تھے۔ پانی پر چل لیتے تھے اور ان کا پیشاب تازہ دودھ کی طرح ہوتا تھا"۔

یہ ہے ان لوگوں کے کرامات اور بالفاظ مناسب شطحیات کا ایک نمونہ مُشتے از خروارے۔ اس خونچکاں داستان کے تفصیلی بیان کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ ؎

اند کے غم دل بتو گفتم و بدل ترسیدم
که آزرده شوی ورنه سخن بسیار است

بہرکیف:

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا

الغرض:

این دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولی

نواں باب

صوفیہ کے بعض تعویذات اور گنڈوں کا تذکرہ

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بنیادی طور پر قرآن پاک ایک کتابِ ہدایت ہے۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے: ذلك الكتاب لا ريب فيه هدى للمتقين (القرآن) یا دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے: شهر رمضان الذى انزل فيه القرآن هدى للناس و بينات من الهدى و الفرقان (القرآن) مگر چونکہ یہ کتاب دنیا و آخرت کی تمام ضروریات پر مشتمل ہے اس لیے ارشادِ قدرت ہے: و ننزل من القرآن ما هو شفاء و رحمة للمومنين (القرآن) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نسخہ شفا بھی ہے۔ جس میں بے شک پہلے نمبر پر روحانی بیماریاں جیسے کفر وشرک اور نفاق داخل ہیں۔ لیکن اگر جسمانی بیماریوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو اس میں کیا مضائقہ ہے۔ اگر اسپرو کی گولی کھانے سے سر کا درد رفع ہوسکتا ہے تو سورۂ فاتحہ وغیرہ قرآنی سور و آیات پڑھنے سے کیوں رفع نہیں ہوسکتا؟ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ: "خذ منه ما شئت لما شئت" کہ قرآن پاک کی جس سورہ یا جس آیت کو چاہو جس جائز مقصد کے لیے چاہو لے لو......

(قرآن مجید مترجم سید زیرک حسین مرحوم)

ولنعم ما قيل:

قرآن تو قرآن دعاؤں میں ہے تاثیر
جوہر جو نہیں کھلتے یہ عامل کی ہے تقصیر

ہاں البتّہ مذہب شیعہ خیر البریہ کی اسلامی تعلیم کے مطابق اگر کوئی عمل کرنا ہو یا کسی سورہ یا آیت کو کسی خاص مقصد کے لیے مخصوص مقدار یا مخصوص کیفیّت کے ساتھ پڑھنا ہو تو اس کے لیے سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کی اجازت درکار ہے، جو کہ وارثانِ علم قرآن ہیں۔ (ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا)

اور حضرت صادق آلِ محمد علیہ السلام کا ارشاد ہے:
کلما لم یخرج من ھذا البیت فھو زخرف (اصول کافی)
"تمھیں جو کچھ ہمارے گھر سے ملے اسے حق سمجھ کر لے لو۔ اور جو کچھ ہمارے گھر سے برآمد نہ ہو اُسے باطل سمجھ کر چھوڑ دو"۔

لہٰذا اپنی طرف سے مخصوص مقدار مقرر کرنا، یا مخصوص کیفیّت معین کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ یہ صوفیاء کرام کرتے ہیں۔ مثلاً:

✪ محبّت کے لیے: بکری کا دایاں بازو، گوشت کا سالم دست، بعد از نمازِ جمعہ تنہا مکان میں ننگا مادر زاد ہو کر اس دست پر سورہ یاسین مع نام طالب و مطلوب کے جس قدر لکھی جا سکے لکھے۔ پھر ہانڈی میں رکھ کر چولھے کے نیچے کر دے کہ گرم رہے...... الخ

✪ دشمن کی ہلاکت کے لیے: الف سے طا تک نو حروف مفردات ابجد روٹی پر لکھے اور اس پر سورہ رعد پڑھے، پھر اس کے پانچ ٹکڑے کر کے پانچ کتوں کو کھلائے...... الخ

✪ چور ڈھونڈنے کے لیے: لیموں کے پتے لا کر ہر پتے پر یہ آیت اور

شخص مُشتبہ کا نام اس کے نیچے لکھے اور آگ میں ڈالے، تو جو چور ہوگا اس کے پیٹ میں درد ہوگا...... الخ وغیرہ وغیرہ

(از رسالہ عطاء المنان بحوالہ رسالہ خالد جاری کردہ دیوبند)

☆ اسی طرح مولانا اشرف علی تھانوی نے ایک مستقل رسالہ بنام "اعمالِ قرآنی" لکھ کر شائع کیا ہے جس میں اس قسم کے بیسیوں اعمال اور وظائف درج ہیں کہ فلاں مقصد کے لیے فلاں آیت اس طرح پڑھو۔ اور فلاں مطلب کے لیے فلاں آیت اس طرح پڑھو...... فلاں مقصد کے لیے یوں عمل کرو۔ وغیرہ وغیرہ۔

پھر ان حضرات کے ہاں تعویذات اور گنڈے بھی چلتے ہیں۔ چنانچہ ماہوار رسالہ "صحیفہ اہل حدیث" مطبوعہ کراچی میں لکھا ہے:

"یوں تو ہر بیماری و مرض کا علاج بذریعہ دم، جھاڑ اور تعویذات شرعیہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے"۔

ان چیزوں کا اثر کیونکر ظاہر ہوتا ہے؟

اب رہی اس بات کی تحقیق کہ ان اوراد و وظائف اور ان لوگوں کے غیر شرعی افعال و اعمال کا اثر کیوں کر ظاہر ہوتا ہے؟ اور ان سے خارق عادت امور کا ظہور کس طرح ہوتا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ قوتِ ارادی کے ارتکاز کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اور وہ ایک فنی چیز ہے۔ جو مخصوص ریاضتوں، چلہ کشیوں، مراقبوں اور مخصوص مہارتوں سے ہر شخص بلا تفریق مذہب و مسلک حاصل کر سکتا ہے۔ اور فوق العادۃ کام کر کے دکھا سکتا ہے۔

ہاں جن چیزوں کو کشف و کرامات کہا جاتا ہے اس کا تعلّق معرفتِ خدا اور

روحانیت سے کوئی نہیں ہے۔ ہر شخص میں یہ قوت ارادی موجود ہوتی ہے کسی میں کم اور کسی میں زیادہ، البتہ اس کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے مختلف ذرائع ہیں۔ ریاضت ہے، چلہ کشی ہے، مراقبہ ہے، ہپناٹزم ہے، اور مُسمریزم ہے۔ جو ان مراحل سے گزرتا ہے اس کی یہ قوتِ ارادی ایک مرکز پر مرتکز ہو جاتی ہے اور ایسا آدمی وہ کچھ کر کے دکھا سکتا ہے جس سے دوسرے لوگ عاجز نظر آتے ہیں۔ اور اس کو ولی اللہ سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ مگر یہ ایک فن ہے، جسے محنت و مُشقّت سے ہر مذہب وملت کا آدمی حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح مُسمریزم میں مہارت حاصل کرنے اور قوت ارادی کو مجتمع کرنے سے ایک عامل قد آدم شیشے میں بظاہر کسی مرحوم بڑی شخصیت کو دکھا سکتا ہے اور اس سے باتیں اور سوال و جواب کرا سکتا ہے، جبکہ کرتا سب کچھ خود آپ ہے۔

اس میں اسلام کی بھی کوئی شرط نہیں ہے، مگر اس کمال کا ظہور تب ہوتا ہے جب دوسرا آدمی اس عامل کی شخصیت سے متاثر ہو۔ اور اس کی عظمت کا قائل ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ: ؎

محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا
ہے بندۂ آزاد خود اک زندہ کرامات
(اقبال)

دم درود ہو یا تعویذ و گنڈا، اس کا اثر تبھی ہوتا ہے کہ جب معمول عامل کی شخصیت سے متاثر ہوتا ہے اور اس کا عقیدت مند ہوتا ہے۔ اسے نفسیاتی تاثیر بھی کہا جاتا ہے...... اور جو شخص عامل کی شخصیت سے متاثر نہ ہو، اس پر اس کے عمل کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ع

آزمائے جس کا جی چاہے

ایک مُفید حکایت

کہتے ہیں کہ ایک بار سیر و سیاحت کے دوران جناب شیخ سعدی گدھے پر سوار رواں دواں جا رہے تھے کہ موسلا دھار بارش نے آلیا۔ وہاں ایک دھقان کی جھونپڑی تھی، وہاں پہنچے اور دھقان نے ان کو اور ان کے گدھے کو اندر جگہ دے دی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس دھقان کی بیوی دردِ زہ میں مبتلا تھی۔ اس نے ایک بزرگ کو اپنے ہاں پا کر عرض کیا کہ میری عورت کو دردِ زہ لاحق ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ خیر و عافیت کے ساتھ بچہ پیدا فرمائے اور زچہ و بچہ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ اس وقت شیخ سعدی نے فی البدیہ یہ شعر پڑھا: ؎

مرا جا شد خرم را نیز جا شد
زن دھقان زائد یا نہ زائد

"مجھے بھی جگہ مل گئی اور میرے گدھے کو بھی جگہ مل گئی، باقی رہی دھقان کی بیوی، وہ بچہ کو جنم دے یا نہ دے، یعنی مجھے کیا فکر ہے"۔

اتفاق یہ ہوا کہ ادھر سعدی نے یہ شعر پڑھا اور ادھر بخیریت بچہ پیدا ہوگیا...... میزبان نے یہی سمجھا کہ اس بزرگ نے دعا کی ہے۔

ہم نے بچشمِ خود کئی بار دیکھا کہ ایک بزرگ عالم دردِ زہ میں مبتلا عورت کے بآسانی وضع حمل کے لیے شیخ سعدی کے اس شعر کا پہلا لفظ "مرا جا" کاغذ کے پرزے پر لکھ دیتے تھے کہ اس کو دیکھتے ہی اس طرح عورت کے فورا بچہ پیدا ہو جاتا تھا۔ اس چیز کو نفسیاتی اثر و تاثیر کہا جاتا ہے۔ و بس۔

✡

دسواں باب

آج کل جس چیز کا نام "عرفان" رکھا جاتا ہے وہ "تصوف" کا ہی بدلا ہوا دوسرا نام ہے

ارباب دانش و بنیش جانتے ہیں کہ کسی چیز کا نام بدل دینے سے اس چیز کی حقیقت نہیں بدل سکتی۔ مثلاً اگر کسی بوتل میں شراب بھری ہو اور اس کا نام شربت صندل رکھ دیا جائے تو ایسا کرنے سے شراب شراب ہی رہے گی، وہ ہرگز صندل کا شربت نہیں بن جائے گی۔ ایسا کرنے سے نہ اس کی حقیقت تبدیل ہوگی اور نہ ہی اس کے احکام تبدیل ہوں گے۔ وہ شراب ہی رہے گی اور نجس و حرام بھی رہے گی۔ بعینہ یہی حال تصوف کا ہے۔ جس کی حقیقت و ماہیت اور جس کے عقائد و اعمال اور جس کے قائلین کی روش و رفتار اور اخلاق و اطوار کا تفصیلی تذکرہ گزشتہ ابواب میں بڑی تفصیل جمیل اور دلائل و براہین کے ساتھ کیا جا چکا ہے۔ اور یہ بھی واضح کیا جا چکا ہے کہ یہ جماعت صوفیہ دشمنانِ اہل بیتؑ یعنی بنی امیہ کے عہد کی پیداوار ہے اور اس کے عقائد و نظریات اور اعمال و افعال اور اوراد و اذکار سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کے عقائد و اعمال کے منافی اور مخالف ہیں، تو اگر اس (تصوف) کا نام تبدیل کر کے اس کا نام "عرفان" رکھ دیا جائے تو اس سے اس کی اصل حقیقت تو تبدیل نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی اس کے احکام تبدیل ہوں گے۔ ع

اینها همه راز است که معلوم عوام است

اور اگر عرفان سے خدا و مصطفیؐ اور ائمہ ہدیٰؑ اور دین مصطفیؐ کی معرفت مُراد ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ یہ مقصد سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے ذریعہ سے بآسانی حاصل ہوسکتا ہے، یا صوفیا کے توسط سے؟ اور اگر یہ معلوم کرنا ہے کہ توحید کا مقام اور نبی و امام کی شان کیا ہے؟ تو اس کے لیے ہمیں قرآن مجید، اصول کافی، نہج البلاغہ اور صحیفہ کاملہ کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ یا صوفی حلاج یا ابن عربی کی فصوص الحکم جو کہ بقول ڈاکٹر اقبال اور جہاں تک مجھے معلوم ہے فصوص الحکم میں سوائے الحاد و زندقہ کے اور کچھ نہیں ہے (اقبال نامہ جلد ۱ صفحہ ۴۴) اور فتوحاتِ مکّیہ یا غزالی کی احیاء العلوم کا مطالعہ کرنا پڑے گا؟ تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ بقول شہید مطہریؒ جس علم (تصوف) کا اسلامی علوم میں شمار ہی نہیں ہے (اسلامی علوم از شہید مطہری) اس مسلک والے لوگوں سے دین اسلام کی حقیقت کو سمجھا جائے گا، یا بانی اسلامؐ اور ان کے اعلیٰ افراد خاندان سے سمجھا جائے گا؟ مالکم کیف تحکمون؟ ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بو العجبی است

مگر بعض سادہ لوح لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہوجاتے ہیں کہ اگر یہ نام الگ ہے تو اس کی حقیقت بھی الگ ہوگی ...... تو ایسے لوگوں کے اس خیال محال کے ابطال کے لیے ہم علمبردارانِ عرفان کے اپنے بیانات اور ان کے اپنے کتب و رسائل کے اقتباسات سے ذیل میں واضح کرتے ہیں کہ تصوف کا صرف نام بدل کر عرفان رکھ دیا گیا ہے، ورنہ دونوں کی اصلیّت اور ماہیت ایک ہی ہے۔ ایک جیسے اصول ہیں، ایک جیسے قواعد و ضوابط ہیں، ایک جیسے اصطلاحات ہیں۔ جیسے وحدۃ الوجود، اور مراقبہ، اور صحو و سکر اور ایک جیسے وظائف و اوراد ہیں۔ آئیے اس سلسلہ میں رسالہ سیر و سلوک کا مطالعہ و ملاحظہ کرتے ہیں جو

جناب شہید مطہریؒ کے قلم کا نتیجہ اور دوسرے بعض اکابر اہل عرفان کے افکار و انظار کا ثمرہ ہے...... تاکہ ہمارے دعویٰ کی صداقت کالشّمس فی رابعة النہار واضح و آشکار ہو جائے، اور اس موضوع کا مطلع بالکل بے غبار ہو جائے۔

کیا لازم ھے کہ غیر پردہ کھولے

جادو وہ جو سر پہ چڑھ کر بولے

صوفی ازم اور عرفان اسلام میں نو ایجاد ہیں

جناب شہید مطہری جو کہ مسلک عرفان کے سب سے بڑے ترجمان ہیں، انھوں نے ایک رسالہ بنام سیر وسلوک لکھا ہے جس کے سرنامہ پر بعض اکابر و اساطین مذہب کے نام لکھے ہیں، اس میں لکھتے ہیں:

"یہ تو مُسلّم ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں اور کم از کم پہلی صدی میں عارف یا صوفی نام کا کوئی نام مُسلمانوں میں موجود نہیں تھا۔ صوفی کا لفظ دوسری صدی ہجری میں وجود میں آیا۔ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ابو ہاشم کوفی کو اس نام سے پکارا گیا۔ ابو ہاشم دوسر صدی میں گزرے ہیں"۔ (سیر سلوک صفحہ ۵۴)

ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں:

"صوفیہ اپنے زہد اور ترک دنیا کے سبب سے نرم لباس سے اجتناب کرتے تھے اور خاص طور پر اون کا موٹا جھوٹا لباس پہنتے تھے...... مگر یہ لوگ کب سے اپنے آپ کو عارف کہلانے لگے، اس کے بارے میں بھی وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اتنی بات یقینی ہے اور سری سقطی متوفی ۲۴۳ھ کے ملفوظات سے

معلوم ہوتا ہے (تذکرہ اولیاء عطار) کہ یہ اصطلاح تیسری صدی ہجری میں رائج ہو چکی تھی"۔ (سیر سلوک صفحہ ۵۵)

اس عبارت سے روزِ روشن کی طرح واضح وعیاں ہے کہ صوفیت اسلام میں دوسری صدی ہجری میں داخل ہوئی...... اور صوفیت کا نام عرفان اور صوفیہ کو عرفاء کہنے کا رواج تیسری صدی ہجری میں ہوا...... ورنہ دونوں کی حقیقت ایک ہے۔ اور یہی ہمارا مدعا اور مقصد ہے...... جو رسالہ سیر وسلوک سے ثابت ہے۔ علاوہ بریں اس سارے رسالہ میں باربار "تصوف وعرفان"...... "عرفان اور تصوف" کی اس قدر تکرار کی گئی ہے کہ جس سے واضح ہوتا ہے کہ مضمون نگار کی نگاہ میں دونوں نام مترادف ہیں۔

اسی رسالہ کے صفحہ ۳۱ پر لکھا ہے:

"عارف کے نزدیک توحید یہ ہے کہ موجود حقیقی فقط اللہ ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ موجود نہیں، صرف ظاہری نمود ہے۔ عارف کے نزدیک خدا کے سوا کچھ ہے ہی نہیں"۔ (سیر وسلوک صفحہ ۳۱)

قارئین کرام!

خدا کو حاضر وناظر سمجھ کر بتائیں کہ کیا یہ عقیدہ بعینہٖ ابن عربی کا وحدۃ الوجود والا فاسد عقیدہ ہے کہ نہیں ہے؟ پھر وہی تصوف والی اصطلاحات مثلاً صفحہ ۳۸ پر "شریعت، طریقت، اور حقیقت" کا عنوان قائم کر کے اس موضوع پر گفتگو کی گئی ہے۔ بعد ازاں صفحہ ۵۷ سے لے کر صفحہ ۸۶ تک یعنی دوسری صدی ہجری سے لے کر بارھویں صدی ہجری تک عرفاء اسلام کے نام سے نام گنوائے گئے ہیں۔ جیسے دوسری صدی کے عارف، تیسری صدی کے عارف، چوتھی صدی کے عارف...... اور لطف یہ ہے کہ اس ساری فہرست میں دو تین ناموں کو چھوڑ کر

باقی سب لوگوں کے نام لیے گئے ہیں...... اگر سارے دشمن اہل بیت نہیں ہیں تو ان کی ولایت و امامت کے منکر تو ضرور ہیں، یعنی سنی المذہب ہیں۔ مثلاً:

دوسری صدی کے عرفاء میں حسن بصری، ابو ہاشم کوفی، اور شفیق بلخی، وغیرہ کا نام ہے۔ اور پھر تیسری صدی کے عرفاء میں بایزید بسطامی، سری سقطی اور جنید بغدادی وغیرہ۔ بعد ازاں چوتھی صدی کے عرفاء میں ابوبکر شبلی، ابو نصر سراج طوسی ابو طالب مکی وغیرہ وغیرہ۔

ان حقائق کے بعد اس حقیقت کے تسلیم کرنے اور ہمارے دعویٰ کہ "لفظ عرفان تصوف کا ہی بدلا ہوا نام ہے" کے صحیح ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ باقی رہ جاتا ہے؟

حاشا وکلا لطف بالائے لطف یہ ہے کہ جناب پرویز صاحب نے "اولین صوفیا اور مشہور صوفیا" کے زیر عنوان اپنی کتاب "حقیّت تصوف" میں جو نام گنوائے ہیں، کم وبیش وہی نام عرفاء کے عنوان کے تحت جناب شہید مطہری نے گنوائے ہیں۔ آیا ان حقائق کی روشنی میں اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ تصوف اور عرفان ایک ہی چیز کے دو نام ہیں جو صوفیاء ہیں، وہی عرفاء ہیں اور جو عرفاء ہیں وہی صوفیاء ہیں اور یہی بات ثابت کرنا ہمارا مقصود ومدعا ہے جو کہ بفضلہٖ تعالیٰ ثابت ہے۔

من شاء فلیومن و من شاء فلیکفر

بعد ازاں صفحہ ۸۶ سے لے کر صفحہ ۱۰۵ تک "منازل ومقامات" کے عنوان کے تحت "عرفانِ حقیقی" حاصل کرنے کے لیے سالک کو جن منازل و مقامات سے گزرنا پڑتا ہے، ان منازل کے نام اور ان کے حقائق بیان کیے گئے ہیں۔ جیسے: ① ارادہ ② ریاضت ③ مراقبہ وغیرہ وغیرہ

یہ چیز بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ تصوف اور عرفان ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ دو علیحدہ علیحدہ حقیقتیں نہیں ہیں۔ اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ جو کہ بحمداللہ حاصل وموجود ہے۔ والحمد للہ

قارئین کرام! آپ نے بڑے اختصار کے ساتھ سیر وسلوک کی مختصر سیر تو کرلی، اب آئیے لگے ہاتھوں آپ کو جناب شہید مطہری مرحوم کی ایک اور کتاب بنام علوم اسلامی کے گلشن علم کی سیر کرائیں، تاکہ آپ کی تصوف وعرفان کی حقیقت معلوم کرنے کی پیاس بالکل بجھ جائے۔

رسالہ علوم اسلامی کا تذکرہ

جناب شہید مطہری اپنے رسالہ "اسلامی علوم کا تعارف" کے صفحہ ۲۳۲ پر چوتھے باب کا آغاز "عرفان اور تصوف" کے عنوان سے کرتے ہیں۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ اور اس سے اگلے صفحہ ۲۳۳ کی پہلی سطر پر یوں رقمطراز ہیں:

"اہل عرفان کا تذکرہ جب ان کے ثقافتی پہلو کو مدنظر رکھ کر کیا جاتا ہے تو انھیں عرفاء کے نام سے یاد کرتے ہیں اور جب ان کا سماجی پہلو مقصود ہوتا ہے تو عام طور سے انھیں صوفیاء کا لقب دیتے ہیں"۔

اس عبارت سے روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہوتا ہے کہ تصوف و عرفان میں صرف اعتباری فرق ہے، ورنہ بنیادی طور پر وہ ایک ہی حقیقت کے دو مختلف نام ہیں۔ اور یہی ہمارا مدعا و مقصود تھا۔ جو بفضلہٖ تعالیٰ ثابت ہے اور حاصل ہے اور یہ بات صاحب کتاب "از کوئے صوفیاں تا حضور عارفاں" نے تسلیم کی ہے کہ: "عرفان تصوف کے سوا کچھ بھی نہیں ہے"۔ (صفحہ ۴۶)

بعد ازاں شہید موصوف صفحہ ۲۵۵ پر لکھتے ہیں:

"اتنا تو مُسلّم اور یقینی ہے کہ صدر اسلام اور کم از کم پہلی صدی ہجری میں مُسلمانوں کے درمیان عارف یا صوفی نامی کسی گروہ کا وجود نہیں تھا۔ صوفی کا نام دوسری صدی ہجری میں رونما ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پہلا شخص جسے اس نام سے یاد کیا گیا ہے وہ ابو ہاشم کوفی ہیں جو دوسری صدی ہجری سے تعلّق رکھتے ہیں"۔

یہ وہی ابو ہاشم کوفی ہے جس کے بارے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"انه فاسد العقيدة جداً و هو الذى ابتدع مذهبا يقال له التصوف"۔ (حديقة الشيعة)

بعد ازاں جناب شہید مطہری اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۲۵۶ سطر ۵ پر لکھتے ہیں:

"اب رہی یہ بات کہ ان صوفیوں نے کب سے اپنے کو عارف کہنا شروع کیا ہے؟ اس سلسلہ میں صحیح معلومات دستیاب نہیں ہیں، قدرِ مُسلّم یہ ہے اور سری سقطی (وفات ۲۴۳ھ) سے جو باتیں نقل ہوئی ہیں ان سے بھی یہ پتا چلتا ہے کہ تیسری صدی ہجری میں یہ اصطلاح رائج تھی۔ لیکن ابو نصر سراج طوسی کی کتاب اللمع میں جو عرفان و تصوف کی مُعتبر کتابوں میں شمار ہوتی ہے، سفیان ثوری سے ایک جملہ نقل ہوا ہے جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ تقریباً دوسری صدی ہجری ہی میں یہ اصطلاح پیدا ہو چکی تھی"۔ ع

اب راز نہیں کوئی راز رہا سب اہل گلستاں جان گئے

اس بیان نیر البرہان سے آفتاب نیمروز کی طرح ہمارا دعویٰ ثابت ہو گیا اور یہ حقیقت واضح و آشکار ہو گئی کہ جس چیز کو آج عرفان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہ تصوف ہی کا بدلا ہوا دوسرا نام ہے۔ یعنی پہلے جس چیز کا نام تصوف تھا اور جس کے ماننے والوں کو صوفیاء کہا جاتا تھا، اب اسی چیز کا نام عرفان ہے اور اس کے ماننے والوں کو عرفاء کہا جاتا ہے۔

الغرض ان دونوں کی اصل حقیقت ایک ہے...... یہی وجہ ہے کہ دوسری صدی سے لے کر دسویں صدی تک جن لوگوں کا نام تذکرہ الاولیاء شیخ عطار میں اور تصوف کی حقیقت از پرویز وغیرہ میں اولین صوفیاء یا مشہور صوفیاء کے عنوان کے تحت کیا گیا ہے انہی لوگوں کا تذکرہ جناب شہید مطہری کی کتاب سیر وسلوک اور کتاب اسلامی علوم کا تعارف میں عرفاء اسلام کے عنوان سے کرایا گیا ہے۔ جن میں سے دو تین نام چھوڑ کر باقی سب اگر دشمن اہل بیتؑ نہیں ہیں تو کم از کم منکر ولایت اہل بیتؑ تو ضرور ہیں۔ کما لا یخفی۔

شہید مطہری کے بعض عرفاء اسلام کا اجمالی تعارف

1. انہی عرفاء میں سرفہرست حسن بصری ہیں۔ جن کو حضرت علی علیہ السلام نے شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔ (عین الحیوۃ از علامہ مجلسیؒ)
2. انہی عرفاء میں سے ایک عارف سفیان ثوری دشمن اہل بیت ہے۔
3. انہی عرفاء میں سے ایک منصور حلاج ہے۔ جس پر امام زمانہؑ نے لعنت کی ہے۔ اور اس کے قتل کے جواز کا فتویٰ دینے والے علماء و فقہاء میں حضرت امام زمانہؑ کے نائب خاص جناب حسینؒ بن روح نوبختی بھی شامل ہیں۔ (احتجاج طبرسی، وغیبت نعمانی وغیرہ)

④ انہی عرفاء میں سے ایک غزالی بھی ہے، جس نے احیاء العلوم میں یزید بن معاویہ کی وکالت کا حق ادا کرتے ہوئے حضرت امام حسینؑ کے ذکر کو حرام اور یزید عنید پر لعنت کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے......

⑤ انہی عرفاء میں سے ایک عبدالقادر جیلانی ہے، جس نے اپنی کتاب "غُنیۃُ الطالبین" میں شیعیانِ علیؑ کو امت محمدیہ کا یہودی، اور روزِ عاشوراء کو روزِ عید قرار دیا ہے۔

⑥ انہی عرفاء اسلام میں سے ایک محی الدین بن عربی بھی ہے، جو فصوص الحکم اور فتوحاتِ مکّیّہ کا مُصنّف ہے۔ اس نے فتوحاتِ مکّیّہ میں لکھا ہے کہ: صُوفیاء کا ایک گروہ ایسا ہے جو "رجبیون" کہلاتا ہے۔ کیونکہ اس کی زیادہ کشف وکرامات کا ظہور رجب المرجب کے مہینہ میں ہوتا ہے۔ چنانچہ اس گروہ کے ایک شخص نے مکاشفہ میں دیکھا کہ شیعہ اور خنزیر برابر ہیں...... جسے فاضل ملا فیض "محی الدین" کی بجائے اپنی کتاب علم الیقین، حق الیقین وغیرہ میں "ممیت الدین" کہتے ہیں۔

⑦ انہی عرفاء میں ایک ملائے روم بھی ہے۔ جو جبری العقیدہ ہے اور کہتا ہے کہ حضرت امیرؑ کو ابن ملجم مرادی سے خدا نے شہید کرایا تھا۔ (العیاذ باللہ)

⑧ انہی عرفاء میں سے ایک شبستری صاحبِ "گلشن راز" بھی ہے جو خرافات کا مجموعہ ہے جس کا ایک شعر ہے: ؎

مسلمان گر بدانستے کہ بت چیست

بدانستے کہ دیں در بت پرستی است

یعنی اگر مُسلمان کو یہ معلوم ہو جاتا کہ بت کی اصل حقیقت کیا ہے تو پھر اسے معلوم ہو جاتا کہ سارا دین تو بت پرستی میں ہے۔ مقصد یہ کہ بت بھی

اللہ، یا اللہ کا اوتار ہے۔ (العیاذ باللہ)

اند کے غم دل با تو گفتم و بدل ترسیدم
که آزرده شوی ورنه سخن بسیار است

منازل ومقاماتؒ (عرفانی اِصطلاحیں)

پھر مرحوم شہید مطہری نے اپنے رسالہ اسلامی علوم میں صفحہ ۲۸۱ سے لے کر صفحہ ۳۰۹ تک پورے ۲۹ صفحات میں عرفان کے منازل و مقامات گنوائے ہیں، جو بالکل تصوف والے منازل ہیں۔ جن کو سالک طے کر کے حقیقت تک پہنچتا ہے۔ جیسے:

① ارادہ ② مشق اور ریاضت ③ رقت ④ حال و مقام ⑤ قبض و بسط ⑥ جمع وفرق ⑦ غَیبت وحضور ⑧ ذوق، شرب دری ⑨ محو ومحق وصحو ⑩ خواطر ⑪ ⑫ قلب وروح وسرّوغیرہ وغیرہ۔

بعد ازاں ان عرفانی اصطلاحوں کی تشریح وتوضیح علم تصوف وعرفان کے نقطہ نظر سے کی گئی ہے۔ ہم اس مقام پر تمام علماء اعلام اور مراجع تقلید شیعیانِ جہاں سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ خدا کو حاضر وناظر سمجھ کر، صادقین کی صداقت کا دامن تھام کر اور کاذبین سے اعلان براءت کر کے بتائیں کہ سرکار محمدؐ وآلِ محمد علیہم السلام کے علوم میں ان اصطلاحات کا یا اس گروہ کی خودساختہ عبادتوں جیسے ذکر جلی وخفی یا مراقبہ یا ان لوگوں کی شریعت، طریقت اور حقیقت یا ان کے مُلحدانہ عقیدۂ وحدت الوجود یا وحدۃ الموجود اور شہود کا کوئی نام ونشان بھی ملتا ہے؟ بس اگر کوئی اس کا مدعی ہے تو اس کا قرآن وسنت کے نصوص صحیحہ وصریحہ سے ثبوت پیش کرے اور ہم سے مُنھ مانگا انعام حاصل کرے۔ ورنہ بصورت دیگر یہ تلخ

حقیقت تسلیم کیے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ تصوف و عرفان سرزمین اسلام میں اجنبی پودا ہے جو باہر سے لاکر اسلام میں لگایا گیا۔ ورنہ اس کا اسلام و ایمان سے اتنا بھی تعلّق نہیں ہے جتنا کہ کھجور کی گٹھلی کا اس کے چھلکے سے ہوتا ہے۔

هل فيكم من رجل رشيد

ع

کس بمیداں در نمی آید سواراں چہ شد

ان حقائق سے واضح و آشکار ہو گیا کہ آج کل بعض اسلامی ممالک میں جو عرفان کے چرچے ہیں اور حقائق اسلام کا چہرہ عرفان کے نام سے بگاڑا جا رہا ہے۔ وہ بعینہٖ صوفیاء کا تصوف ہے، اور ان عرفان بافوں نے شیعہ علماء اعلام کے فتاویٰ سے خوف زدہ ہو کر عرفان کی آغوش میں پناہ لی ہے۔ ورنہ دنیا جانتی ہے کہ ابن عربی کی کافرانہ کتاب فصوص الحکم کی شرح لکھنے والے اور اس کی مُلحدانہ تحریرات کی تاویلات کرنے والے اگر صوفی نہیں تو اور کیا ہیں؟

بس ایک بات پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

ولایت تکوینی سے تعلّق رکھنے والا ایک اہم ایراد

کہا جاتا ہے کہ تصوف میں جو فوق العادت کرامات اور محیر العُقُول کارنامے صوفیا کے بیان کیے جاتے ہیں اس سے ہٹ کر بھی ایسے کارنامے سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام انجام دے سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کو کائنات میں ہر قسم کا تصرف کرنے کا استحقاق حاصل ہے۔ کیونکہ وہ ولایت تکوینی کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہیں۔ وہ جس کام کا ارادہ کریں بس ان کے "کن" کہنے سے "یکون" ہو جاتا ہے۔

اس ایراد کا جواب یہ ہے کہ "ولایت تکوینی" کے خوشنما غلاف میں

لپیٹ کر جو باطل نظریہ پیش کیا جاتا ہے، یہ وہی غالیانہ عقیدہ ہے جو ائمہ اہل بیتؑ کے عہد معدلت انگیز میں "تفویض" کہلاتا تھا۔ شیخ احمد احسائی کے دور میں شیخیت کہلایا، اور آج کل اسی عقیدۂ باطلہ کو ولایت تکوینی کے خوشنما غلاف میں لپیٹ کر پیش کیا جارہا ہے۔ اور ہم اس باب کے آغاز میں واضح کر چکے ہیں کہ لیبل یا نام یا عنوان بدلنے سے کسی چیز کی حقیقت تبدیل نہیں ہوسکتی، بلکہ وہی رہتی ہے۔ لہٰذا دیکھنا یہ ہے کہ مذہب شیعہ خیرالبریہ کے عقائد حقہ کی رو سے عقیدہ تفویض اور شیخیت صحیح ہے یا غلط؟ اگر بالفرض وہ عقیدہ صحیح ہے تو پھر ولایت تکوینی والا نظریہ بھی صحیح ہے۔ لیکن اگر قرآن، معصومینؑ کے فرمان اور چودہ سوسال کے شیعہ علماء اعلام کے نزدیک باطل ہے تو پھر اس نظریہ کو بھی باطل تسلیم کرنا پڑے گا۔

ہم ببانگ دہل اعلان کرتے ہیں کہ اگر گروہی تعصّبات اور ذاتی رجحانات وخیالات اور عوامی میلانات سے بالا ہوکر قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا جائے تو روزِ روشن کی طرح یہ حقیقت واضح وآشکار ہوجاتی ہے کہ پوری کائنات ارضی و سماوی میں علی الاطلاق ہر قسم کا تصرف کرنے اور کن فیکون کا استحقاق صرف اور صرف اس ذات ذوالجلال کو حاصل ہے جو کائنات کا خالق مالک اور پالک ہے۔ اور وہ صرف رب العالمین واحکم الحاکمین ہے۔ تبارك الذی بیده الملك وھو علی کل شیء قدیر۔ اسی ذات کو یہ مقام ومرتبہ حاصل ہے کہ اذا اراد شیئا قال له کن فیکون کہ جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ ہوجا بس وہ ہوجاتا ہے۔

اور جناب امیر علیہ السلام کے فرمان کے مطابق یہ کن کہنا بھی ایک استعارہ ہے۔ وہ ذات جامع جمیع صفات وکمالات کاف اور نون کہنے کی بھی محتاج نہیں ہے۔ اور اس کا ارادہ ہی کافی ہے۔ لہٰذا جس طرح "کن" کہنے میں کوئی دیر

نہیں لگتی اسی طرح جب خدا کسی کام کا ارادہ کر لے تو اس کی مراد کے وجود میں آنے میں بھی کوئی دیر نہیں لگتی۔

عقیدہ تفویض کا بطلان قرآن کی روشنی میں

الغرض عالم کون و فساد میں ہر قسم کا تصرف کرنا یعنی کسی کو پیدا کرنا، اور کسی کو مارنا، کسی کو زیادہ روزی دینا اور کسی کو کم دینا، کسی کو شاہ بنانا، اور کسی کو گدا بنانا، کسی کو عزت کی مسند پہ بٹھانا اور کسی کو ذلت کے گڑھے میں گرانا، کسی کو بلندی پر فائز کرنا اور کسی کو پست کرنا اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ توحید افعالی کے اس مرتبہ میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ خدا صرف ایک ہے، پندرہ خدا نہیں ہیں۔ کما لا یخفیٰ۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ هَلْ مِنْ شُرَکَآئِکُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِکُمْ مِّنْ شَیْءٍ ط سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ (سورۃ الروم:۴۰)

"اللہ وہی تو ہے جس نے پہلے تمھیں پیدا کیا پھر تمھیں رزق دیا، پھر تمھیں موت کا ذائقہ چکھائے گا، پھر (بروز قیامت) زندہ فرمائے گا۔ آیا اس کے سوا اور کوئی اس کا شریک ہے جو یہ کام انجام دے سکے؟ پاک ہے وہ ذات اور اس سے بہت بلند و بالا ہے جو مشرک لوگ کہتے ہیں"۔

اور اس نے یہ کام و اختیار کسی بھی مخلوق کو تفویض نہیں کیا، بلکہ امور تکوینیہ کی انجام دہی کا یہ محکمہ اسی ذاتِ ذوالجلال کے قبضہ قدرت میں ہے۔

جیسا کہ فرماتا ہے:

اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَکَآءَ خَلَقُوْا کَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَیْهِمْ ط قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (سورۃ الرعد:۱۶)

"ان لوگوں نے خدا کے کچھ شریک ٹھہرا رکھے ہیں کہ انھوں نے خدا کی طرح کچھ مخلوق خلق کر رکھی ہے۔ جس کی وجہ سے مخلوق ان پر مُشتبہ ہو گئی ہے؟ تم کہہ دو کہ خدا ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے وہی یکتا اور سب پر غالب ہے"۔

وَ رَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُط مَا کَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُط (سورۃ القصص:۶۸)

"پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے اور یہ انتخاب لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے"۔

مزید برآں فرماتا ہے:

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ز فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ (سورۃ فاطر:۳)

"آیا خدا کے سوا کوئی اور خالق ہے جو آسمان سے (بارش برسا کر) اور زمین سے (فصلیں اگا کر) تمھیں روزی پہنچاتا ہے، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ تم کدھر بہکے چلے جا رہے ہو"۔

الغرض! اس قسم کی آیات بینات سے قرآن مجید چھلک رہا ہے کہ کائنات میں ہر قسم کا تصرف صرف خداوند عالم ہی کرتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

کچھ لوگوں نے پہلے ولایت فقیہ کے ڈانڈے نبی و امام سے ملائے کہ فقیہ کو ہر وہ اختیار حاصل ہے جو نبیؐ و امامؑ کو حاصل ہوتا ہے۔ حالانکہ باتفاق محقّق

فقہاء فقیہ کی ولایت جزئی ہے، اور صرف احکامِ شریعت بیان کرنا، اسی لیے اس کے لیے جامع الشرائط ہونا کافی ہے، جبکہ ائمہ اہل بیتؑ کی نیابت کلی ہے۔ تبھی تو ان میں صفاتِ نبویہ کا پایا جانا ضروری ہے۔ پھر ولایت تکوینی کے ڈانڈے ذاتِ توحید سے ملا دیے کہ نبی و امام کو ہر وہ اختیار حاصل ہے جو پروردگار کو حاصل ہے۔ اس طرح گویا خدا ایک نہیں بلکہ پندرہ ہیں۔

تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا

عقیدۂ تفویض کا بطلان

سرکار محمدؐ و آلِ محمدؑ کے کلام حق ترجمان کی روشنی میں

اہل بیت نبوتؑ کے ارشادات سے کتب تفسیر و حدیث لبریز نظر آتی ہیں کہ عقیدہ تفویض باطل ہے اور خدائے قدیر نے کسی بھی ہستی کو کائنات میں تصرف کرنے کا کوئی اختیار نہیں دیا۔ وہ آپ ہی عالم کون و فساد میں تصرف کرتا ہے اور امورِ تکوینیہ انجام دیتا ہے۔ آئیے اس قسم کی احادیث شریفہ کا ایک شمہ ذیل میں آپ کو دکھاتے ہیں:

① حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ "انکم تقدرون ارزاق العباد"۔ کہ "آپ لوگوں کی روزیاں مقدر کرتے ہیں؟"۔ امام علیہ السلام نے یہ سُن کر فرمایا: "واللہ ما یقدر ارزاقنا الا اللہ"۔ "خدا کی قسم خود ہمارا رزق خدا مقدر کرتا ہے" ...... (یہاں تک کہ) فرمایا: "لعنہ اللہ و بریٔ اللہ منہ"۔ "اس پر خدا

لعنت کرے اور اس سے بیزار ہو"۔(رجال کشی صفحہ ۲۰۷و۲۰۸ کذا فی البحار جلد۷ صفحہ ۳۵۰، رجال مامقانی جلد۱ صفحہ ۲۵۶)

② انہی سرکار سے مروی ہے، فرمایا:"لا واللہ ما فوض الیٰ احد من خلقه لا الیٰ رسوله ولا الیٰ الائمة"۔"خدا کی قسم خدا نے اپنی کسی بھی مخلوق کو (تکوینی امور) تفویض نہیں فرمائے، نہ جنابِ رسولِ خداؐ کو اور نہ ائمہٴ ہدیٰؑ کو"۔(کفایۃ الموحدین جلد۱ صفحہ ۲۳۷ مطبوعہ ایران)

③ انہی حضرتؑ سے منقول ہے، فرمایا:"من قال نحن الخالقون بامر اللہ فقد کفر"۔"جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ ہم خدا کے اذن سے پیدا کرتے ہیں (یعنی ہمیں باذن اللہ خالق ورازق کہے) وہ کافر ہے"۔

(رسالہ تصحیح العقائد مطبوعہ حیدر آباد دکن بحوالہ بحار الانوار)

④ یاسر خادم بیان کرتا ہے کہ میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا:"ما تقول فی التفویض؟"۔کہ آپ تفویض کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟۔فرمایا:"ان اللہ تبارك و تعالیٰ فوض الیٰ نبیه صلّی اللہ علیه و آلہٖ امر دینه فقال أتاکُم الرسُول فخذوه و ما نهاکم عنه فانتهوا"......"خداوند عالم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دینی امور تفویض فرمائے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے: جس چیز کا رسولؐ تمھیں حکم دیں اس کو لے لو (اس پر عمل کرو) اور جس بات سے روک دیں اس سے رُک جاؤ"......"فاما الخلق و الرزق فـلا"......لیکن جہاں تک پیدا کرنے اور روزی دینے کا تعلّق ہے یہ معاملہ اس نے کسی کے سپرد (تفویض) نہیں کیا"۔

(عیون الاخبار صفحہ ۲۷۴ وسابع بحار الانوار صفحہ ۳۵۸)

ان حقائق سے واضح وعیاں ہوگیا کہ خلق ورزق، اماتت واحیاء وغیرہ

امورِ تکوینیہ کی انجام دہی خدا نے نہ کسی نبی کے سپرد کی ہے اور نہ کسی وصی و ولی کے، بلکہ وہ خود بذریعہ ملائکہ یہ امور انجام دیتا ہے، جو کہ اس کے لیے بمنزلہ آلات وادوات کے ہیں۔ یہ تفویض استقلالی اور غیرا ستقلالی والی کی تقسیم غلونواز لوگوں کی طبع زاد اصطلاح ہے۔ قرآن وسنت میں اس کا کوئی نام ونشان بھی نہیں ہے...... ہاں البتہ جہاں تک سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے مقام و منصب کا تعلّق ہے تو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ نظام شریعت کے سربراہ ہیں، اور نظام تکوین میں ہمارے شفیع ووسیلہ اور سفارشی ہیں۔ لہٰذا وہ ذواتِ مُقدّسہ جس کی جو سفارش کر دیں خداوند عالم ان کی سفارش کو رد نہیں کرتا۔ مگر وہ وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔ "وَ مَا تَشَآؤُنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہ" وہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے بغیر ارادہ بھی نہیں کرتے۔ جو کہ ان کی عصمت و طہارت کی ناقابل رد دلیل ہے...... الغرض اس نظریہ کی صحت وصداقت پر ہمارے تمام علماء اعلام و فقہاء عظام اور مُفسّرین و محدثین فخام کا اتفاق ہے۔ تفصیل کے خواہش مند ہماری کتاب "اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ" کے تیسرے باب کا مطالعہ کریں۔ چودہ طبق روشن ہوجائیں گے۔ اور حق و باطل کا باہمی فرق روزِ روشن سے بھی زیادہ واضح وعیاں ہوجائے گا۔ ان شاء اللہ

ایک ضروری امر کی وضاحت

یعنی اہل بیتؑ نبوت سے خارق عادت امور کا ظہور اسم اعظم کے ساتھ دُعا کرنے کا نتیجہ ہوتا ہے

یہ حقیقت ناقابل انکار حد تک ثابت ہے کہ سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام اصحابِ مُعجزہ ہیں اور ان سے عجائب وغرائب امور کا ظہور ہوتا ہے۔ اور ان سے

خارق عادت اور فوق العادت محیر العقول امور ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ مگر قابل غور بات یہ ہے کہ آیا ان امور کا ان سے ظہور صوفیا کی طرح ان کی چلہ کشیوں اور مراقبوں کا نتیجہ ہوتا ہے یا اس کی حقیقت کچھ اور ہے؟ آیا ان خارق عادت امور کا ظہور ان ذواتِ مُقدّسہ کا ذاتی فعل ہے اور یہ اس کے حقیقی فاعل ہیں یا ان امور کا حقیقی فاعل خداوند عالم کی ذات ہے۔ جو انبیاءؑ وائمہؑ کی دعا واستدعا پر ان کے مُقدّس ہاتھوں پر ان امور کو ظاہر فرماتا ہے۔

جو حقیقت اللہ تعالیٰ کے قرآن اور چہاردہ معصومین علیہم السلام کے فرمان سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ان خارق عادت اور فوق العادۃ امور کا حقیقی فاعل خداوند عالم کی ذات ہے، جو ان اُمور کو ظاہر کرتی ہے۔ اور ان امور کی نسبت ان ذواتِ مُقدّسہ کی طرف مجازی ہے۔ کیونکہ وہ یہ اُمور اُن کے ہاتھوں پر ظاہر کرتا ہے اور ظاہر بھی اس طرح کرتا ہے کہ نبیؐ و امامؑ کے پاس اسم اعظم ہوتا ہے۔ جب وہ بوقت ضرورت اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے کسی خارق عادت امر کے اظہار کی دعا واستدعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے وہ بات ان کے مُقدّس ہاتھوں پر ظاہر کر دیتا ہے۔ اس لیے ظاہر بین یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کا ذاتی فعل ہے۔ مگر حقیقت بین لوگ جانتے ہیں کہ یہ قدرتِ خداوندی کا کرشمہ ہے۔ جس کا ظہور ان ذواتِ مُقدّسہ کے مُقدّس ہاتھوں پر ہوا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ ایک بار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے کھجور کے ایک خشک درخت سے اپنے اصحاب کو تازہ کھجوریں کھلائیں۔ وہاں ایک بدو موجود تھا، وہ امام علیہ السلام کا یہ مُعجزہ دیکھ کر کہنے لگا: میں نے آج بچشمِ خود جادوگر دیکھا ہے۔ امامؑ نے اس کی یہ بات سُن کر فرمایا: لا تکذبن علینا فانہ لیس منا ساحر و لا کاھن و لکنا علمنا اسماء من اسماء اللہ تعالیٰ نسئل بھا فنعطی و

ندعو و نجاب ۔ خبردار ہم اہل بیتؑ پر جھوٹ نہ بول...... کیونکہ ہم میں نہ کوئی ساحر ہے اور نہ کوئی کاہن ۔ بلکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ ہمیں اللہ کے اسماء میں سے کچھ اسم (اعظم) تعلیم کیے گئے ہیں ۔ لہٰذا جب ہم ان کے ذریعے (خدا سے) سوال کرتے ہیں تو ہمیں ہمارا مدعا مل جاتا ہے اور جب اس کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں تو وہ مستجاب ہو جاتی ہے ۔ (دمعہ ساکبہ صفحہ ۴۶۰)

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ معجزہ کا ظہور اسم اعظم کے ذریعہ سے بارگاہِ خداوندی میں دعا و استدعا کرنے کا نتیجہ و ثمرہ ہے ۔ چنانچہ سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے سابع بحار الانوار طبع اول تبریز صفحہ ۵۱۰ پر ایک پورا باب درج کیا ہے، جس کا عنوان یہ ہے: "ان عندهم الاسم الاعظم و به تظهر عنهم الغرائب" یعنی حضرات ائمہ اہل بیتؑ کے پاس اسم اعظم موجود ہے، جس کی وجہ سے ان سے عجیب وغریب امور (معجزات) کا ظہور ہوتا ہے ۔

یہ ہے ان ذواتِ مقدّسہ سے محیر العقول اور فوق العادت امور کے ظہور کا اصلی راز جو خود ان ذواتِ مقدّسہ نے فاش کیا ہے ۔

لیکن کوتاہ اندیش لوگوں نے صرف ظاہر پر نظر ڈالی اور کہہ اٹھے کہ یہ حضرات ولایت تکوینی کے مالک ہیں اور ان کے جنبش لب اور کن کہنے سے کائنات میں تغیّر وتبدل واقع ہو جاتا ہے ۔ سچ ہے: ع

چوں ندیدند حقیقتِ راہ افسانہ زدند

اور جن بلند نگاہوں کی اصل حقائق پر نگاہ تھی وہ یہ مناظر دیکھ کر کہہ اٹھے جل الخالق و عظم المالك ...... کس قدر جلیل القدر وہ قادرِ مطلق خداوند عالم ہے جس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اپنے مخصوص بندوں کے مقدّس ہاتھوں پر ان محیر العقول امور کا اظہار کر کے ان کی عصمت وطہارت اور وصایت

وامامت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اور خوابِ غفلت میں سونے والوں کو جگا کر ان کو بتا دیا ہے کہ اس کے مُنتخب کردہ رہبرو راہنما کون ہیں؟ خدا کے مُنتخب کردہ رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قائم مقام اور لوگوں کے پیشوا کون ہیں؟ اور ہمارے دین و دُنیا کے شہنشاہ کون ہیں؟

کاخِ جہاں پُر است ز ذکر گزشتگاں
لیکن کسے کہ گوش نہد ایں صدا کم است

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ و سلامہ علی رسولہ الکریم و آلہ الطیبین الطاہرین المعصومین من یومنا ھذا الی یوم الدین والسّلام علیٰ من اتبع الھُدیٰ

گر نیاید بگوشِ حقیقت کس
بر رسولاں بلاغ باشد و بس

وانا الاحقر

محمد حسین النجفی عفی عنہ بقلمہ

سرگودھا

۳۰ ماہِ صیام سنہ ۱۴۳۲ھ

بوقت قریباً چار بجے دن

تمّت بالخیر والحمد للہ ربّ العالمین

کتبہٗ: احقر الزّمن محمّد حسن وقاہُ اللہ الفتن ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۴۳۳ھ

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے؟

☆ ہر شخص کو ایک نہ ایک دن عمل کی دنیا سے رخصت ہونا ہے اور جزا کے عالم میں سمانا ہے، جو کچھ اور جیسے اس نے عمل کیے اسی لحاظ سے اس کو مقام ملنا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ افراد جنھوں نے اپنے مستقبل پر غور کیا اور اس چند روزہ زندگی میں ایسے کام کیے جس سے ان کی زندگی زیست ہوگئی۔

☆ آپ بھی اگر چاہتے ہیں کہ قیامت تک آپ کے نامہ اعمال میں نیکیاں جاتی رہیں اور ثواب میں اضافہ ہوتا رہے تو فی الفور حسب حیثیت قومی تعمیراتی کاموں میں دلچسپی لیں اور قومی تعمیراتی اداروں کو فعال بنا کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

☆ ان قومی اداروں میں سے ایک ادارہ جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ سرگودھا بھی ہے۔ آپ اپنے قومی ادارے کی اس طرح معاونت فرما سکتے ہیں:

① اپنے ذہین و فطین بچوں کو اسلامی علوم سے روشناس کرانے کے لیے ادارہ میں داخل کروا کر۔

② طلبہ کی کفالت کی ذمہ داری قبول کرنے سے۔ کیونکہ فرمانِ معصومؑ ہے کہ جس کسی نے ایک طالب علم کی ٹوٹے ہوئے قلم سے بھی مدد کی گویا اس نے ستر مرتبہ خانہ کعبہ کو تعمیر کیا۔

③ ادارہ کے تعمیراتی منصوبوں کی تکمیل کے لیے سیمنٹ، بجری، ریت، اینٹیں وغیرہ مہیہ فرما کر۔

④ ادارہ کی طرف سے ماہانہ شائع ہونے والا رسالہ "دقائق اسلام" کے باقاعدہ ممبر بن کر، اور بروقت سالانہ چندہ ادا کر کے۔

ادارہ کے تبلیغاتی پروگراموں کو کامیاب کر کے۔

آپ کی کاوشیں اور آپ کا خرچ کیا ہوا پیسہ صدقہ جاریہ بن کر آپ کے نامہ اعمال میں متواتر اضافے کا باعث بنتا رہے گا۔

ترسیل زر کے لیے:

پرنسپل جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا۔ فون: 0301-6702646